- **كلمة الحبيب**

  اٹھارھویں آئینی ترمیم اختیارات کی بندر بانٹ

- **مکاتیب رئیس الاحرار سے**

  رئیس الاحرارؒ اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم میں خط و کتابت

- **داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ**

  شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

- **تاریخی حقائق** فراستِ خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کے چند اوراق

  حضرت مولانا ظفیر الدین

مدیر اعلیٰ و سرپرست

الٰہی اس پہ اور اس کی تمام آل پہ بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کا شمار
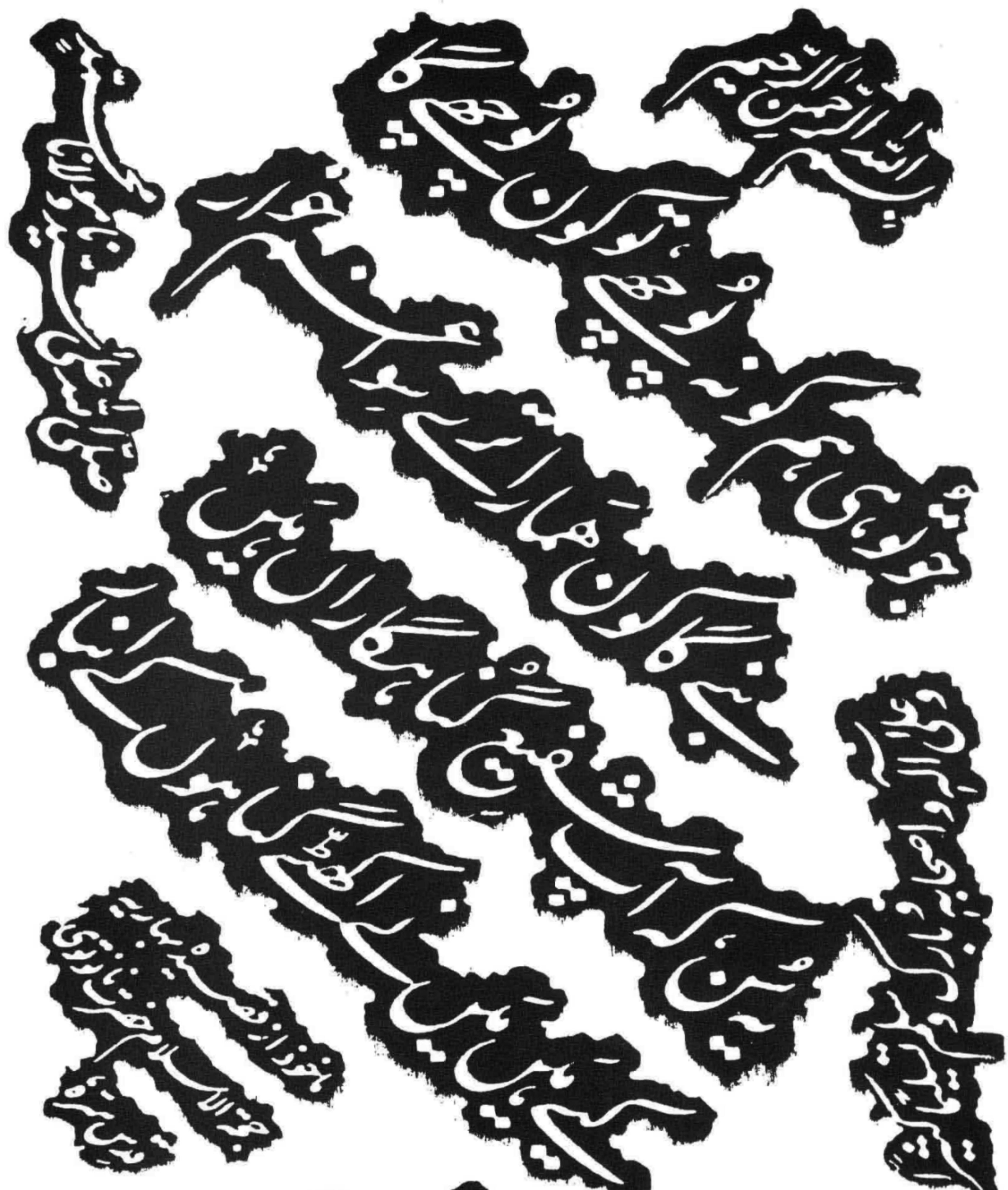
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ جلد نمبر 6

بمطابق

مئی 2010ء شمارہ نمبر 5

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر — جواد الرحمٰن لدھیانوی

مدیر — حماد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے — پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

ماہنامہ ملّیہ

جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد — Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

اٹھارھویں آئینی ترمیم

اختیارات کی بندر بانٹ

الیاس، حبیب الرحمٰن لدھیانوی

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

ہر طرف شور و غوغا ہے کہ قوم کو اس کا حق مل گیا۔ آئین مکمل ہوگیا، اب کسی کو شب خون مارنے کی اجازت یا جرأت نہیں ہوگی۔

گویا کہ شب خون مارنے والا بھی اجازت لیا کرتا ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی شب خون مارے گئے وہ سب کے سب اجازت کے بغیر مارے گئے تھے۔ ایوب خان اجازت کے آیا تھا اور اس نے آئین معطل کیا تھا۔ پھر یحییٰ خان نے اجازت کے بغیر شب خون مارا تھا، اور آئین معطل کیا تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق شہید بھی بغیر اجازت آئے تھے اور آئین معطل کیا تھا، پرویز مشرف نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور اب جب کوئی اگر کوئی شب خون مارے گا تو اجازت لے کر مارے گا۔ جیسے بھٹو صاحب مرحوم نے ملک کا وزیر اعظم بننے کے لئے اجازت لے کر ملک توڑا تھا اور پھر تاریخ میں پہلی بار سول شخصیت کے طور پر مارشل لا ایڈمنسٹیٹر بنے تھے۔ چوہدری شجاعت حسین نے کیا خوب کہا تھا کہ شب خون یا مارشل لاء کے لئے ایک ٹرک اور ایک جیپ ہی کافی ہوتی ہے۔ دوسری بات جرأت کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک صاحبان اقتدار جرأت کا مظاہرہ کریں گے اس وقت تک کسی کو شب خون مارنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ صاحبان اقتدار کی جرأت کا محور عوام ہوتے ہیں۔ کبھی بھی شب خون مارنے والوں کے مقابلے میں جرأت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ہم اجازت اور جرأت والی بحث کو یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور آنے والے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔

باقی اصل شور اس بات پر ہے اور جشن بھی اس بات پر منائے جارہے ہیں کہ قوم کو اس کا حق مل گیا۔ ہمیں نہیں سمجھ آیا کہ کون سا حق مل گیا۔ کیا قوم کو اس ترمیم کے پاس ہونے سے تمام سہولیات مل گئیں۔ دہشت گردی ختم ہوگئی۔ لوڈشیڈنگ ختم ہوگئی، پٹرول اور گیس سستا ہوگیا۔ کھانے پینے کی تمام اشیاء عوام کی پہنچ میں آگئیں، سستا انصاف ملنا شروع ہوگیا؟۔ اگر یہ سب کچھ ہوگیا ہو تو پھر عوام کو

مبارک ہو۔ اب دودھ کی نہریں بہیں گی، شہد کی نہریں بہیں گی، پانی کی نہریں بہیں گی۔ اور ہمارا ملک جنت نظیر ہو جائیگا۔

مگر معلوم ہوا کہ مبارکباد عوام کے لئے نہیں بلکہ حکمرانوں کے لئے ہے۔ جن دنوں اسمبلی میں ترمیمی بل پیش کیا جارہا تھا انہی دنوں عوام پر پٹرول بم پھینکا گیا۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ بڑھادی گئی، گیس کے متعلق حکم آیا کہ کوئی بھی شخص لوڈ شیڈنگ کے دوران گیس سے جنریٹر بھی نہیں چلا سکتا۔ اخباری اطلاع کے مطابق انہی دنوں ۲۵ ر فیصد مہنگائی ریکارڈ کی گئیں۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں حکومتی ایوانوں میں جشن کا سماں ہے، بھنگڑے ڈالے جارہے ہیں ناچ کا انتظام کیا جارہا ہے، گانے کے کورس ہورہے ہیں۔ کس لئے؟ صرف اس لئے کہ کچھ لوگوں کو اس بات کا اختیار مل گیا ہے کہ اب تم بھی عوام کی زندگی سے کھیل سکتے ہو، تم بھی ان کو قطاروں لگا سکتے ہو، تمہارے پاس بھی اپنی عیاشیوں کے لئے ٹیکس لگانے کا اختیار آگیا ہے۔ تم جب چاہو غریب کی جھونپڑی کو اٹھوا سکتے ہو۔

حالانکہ جس نے خدمت کرنی ہو وہ اختیارات کے چکر میں نہیں پڑتا، اس کو اپنے کام سے لگن ہوتی ہے۔ وہ قوم کے لئے دن رات ایک کر دیا کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے یہ کر کے دکھایا ہے۔ ان کی مملکت میں کوئی کتا بھی بھوکا پیاسا نہیں سوتا تھا۔ وہ اس لئے کہ حاکم خود بھوکا سوتا تھا اور قوم پیٹ بھر کر سوتی تھی۔ ان کے ہاں کبھی ڈاکہ نہیں پڑتا تھا اس لئے ان کے بیرون ملک کوئی اثاثہ نہیں ہوا کرتا تھا۔

اختیارات کا یہ عالم ہے کہ اب صدر یہ خواہش کرے گا کہ میں وزیر اعظم بن جاؤں۔ صوبوں کے اختیارات اتنے ہیں کہ اب مرکز یہ کہے گا کہ میں صوبہ بن جاؤں۔ وزیر اعظم یہ چاہے گا کہ میں صوبہ کا وزیر اعلیٰ بن جاؤں۔ وزیر اعلیٰ یہ خواہش کرے گا کہ میں وزیر بن جاؤں۔ مطلب یہ کہ ہر شخص اپنے سے کم درجہ کی وزارت کو اہمیت دے گا۔ یعنی ہر شخص اختیارات کے چکر میں رہے گا، اس لئے کہ ہمارے ہاں یہ فیشن بن چکا ہے کہ اگر کسی کے پاس اختیار آجائے تو اس کو استعمال کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ دوسرا اس کے رعب میں رہے۔

انگریز جب اس ملک میں آیا تھا تو اس نے تمام اختیارات اپنے پاس رکھے تھے، وہ جب چاہتا اور جس کو چاہتا اس پر اپنے اختیارات استعمال کرتا۔ اس کے اختیارات پر دو قسم کے گروہ پیدا ہوگئے۔ ایک گروہ وہ تھا جو کہ ہر وقت انگریز کے اشارۂ ابرو کا منتظر رہتا اور اس کے حکم کو بجالانیکے لئے

سر دھڑ کی بازی لگا دیتا، دوسرا گروہ وہ تھا جو کہ انگریز اور اس کے اختیارات کو پاؤں کی نوک پر رکھتا تھا ، اور انگریز کو نکالنے کے لئے اس کے تمام قوانین کو رد کر دیتا تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد انگریز ان لوگوں کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ڈور دے گیا جو کہ اس کے ہر حکم کو صحیفہ آسمانی سمجھتے تھے۔ جب اس ملک کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی تو ان لوگوں نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے اپنے اختیارات کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مخالفین کو اپنے اختیارات کے ذریعہ انتقام کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ میں آج ہمارا ملک اس حالت کو پہنچ گیا ہے۔

اختیار کا مطلب اس کا استعمال کرنا ضروری نہیں ،جبکہ ہمارے ہاں اس کو استعمال کرنا واجب سمجھا جاتا ہے۔ اگر اختیار استعمال نہ کیا تو سمجھو کہ اس کی کوئی وقعت نہیں۔

پرانی بات ہے کہ ایک دفعہ میں کسی دوست کی گواہی دینے کے لئے عدالت میں گیا، جج صاحب اپنے بااختیار ہونے کی بار بار دھمکی دے رہے تھے۔ وہ فرما رہے تھے کہ مجھے اختیار حاصل ہے کہ میں ملزم کو جیل بھیج سکوں، مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے عرض کیا جج صاحب اگر آپ کے پاس جیل بھیجنے کا اختیار ہے تو جیل نہ بھیجنے کا اختیار بھی ہے۔ مجھ سے میری بات کا مطلب پوچھنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ اختیار سے مراد اختیاری ہے، واجب یا فرض نہیں۔ آپ نے جیل بھیجنے کا اختیار کا فرمایا ہے۔ اور ایسے فرما رہے ہیں کہ جیسے جیل بھیجنا آپ پر واجب ہے۔ فرمانے لگے کہ میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔ میں نے عرض کیا کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے مگر دنیا کے کتنے مرد ہیں جو اس اختیار کو استعمال کرتے ہیں۔ اس پر جج صاحب پریشان ہو گئے۔ پھر فرمانے لگے کہ آپ مولوی ہیں کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی لیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ چلئے ہمارے اس نقطہ ہی سے اتفاق کر لیں، اور اپنے جیل نہ بھیجنے کے اختیار کو استعمال کر لیں۔ جج صاحب شریف آدمی تھے سمجھ گئے فرمانے لگے کہ آپ نے مجھے ایک نکتہ سمجھا دیا ہے، چلو اسی خوشی میں بری کرتا ہوں۔

مگر ہمارے ہاں جن اختیارات کی بات ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں جو چاہے کرلوں مجھے اختیار ہے مگر میرے کسی غلط کام کرنے پر عدالت تک کو اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے ہاں اختیارات کا استعمال کیسے ہوتا ہے اس کی دو تازہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ہمارے ملک کے صدر ذی وقار کے ایک ہم پیالہ دوست شیخ ریاض احمد صاحب کو عدالت نے قید کی سزا دی، جس پر عدالت کے حکم پر عمل درآمد بھی ہو گیا، مگر ہمارے صدر صاحب کی رنگین محفلیں ویران ہو گئیں، کوئی بس نہ چلا، ادھر جب اسمبلی نے اٹھارھویں ترمیم پاس کر دی تو اپنے دوست کو چھڑانے کا صدر صاحب کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور فوراً یہ کہہ کر کہ " اٹھارھویں ترمیم سے عوام کو ان کا

حق مل گیا ہے'' اس خوشی میں تمام قیدیوں کی ایک چوتھائی سزا معاف کرتا ہوں۔ حالانکہ ابھی یہ ترمیم سینٹ میں جانی تھی وہاں اس پر بحث ہونی تھی اور پھر بذات خود صدر صاحب کے دستخط ہونے تھے، پھر جا کر یہ ترمیم آئین کا حصہ بننی تھی۔ مگر صدر صاحب کو اپنے یار کو جیل رہا کرانے کی بے تابی تھی۔ اسی لئے تمام آئینی پہلوؤں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اختیار کو استعمال کر کے اپنے یار کو رہا کرا لیا۔

(۲) صدر صاحب کے ایک اور افسر بکار خاص، جو کہ ان کے وزیر داخلہ بھی ہیں اور بے نظیر کے سیکورٹی انچارج بھی تھے، ان پر اقوام متحدہ کی تحقیقی رپورٹ میں بے نظیر کے قتل میں غفلت کے ذریعہ معاون ہونے کا اشارہ بھی ہے، وہ بے نظیر دور میں ایف، آئی، اے کے ڈائریکٹر تھے۔ جب فاروق لغاری نے ۱۹۹۶ء میں بے نظیر کی حکومت ختم کی تو ان کو بھی ان کے عہدے سے برطرف کردیا گیا تھا۔ اب جناب صدر نے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ان کی برطرفی کو ریٹائرمنٹ میں تبدیل کردیا۔ اب جناب رحمٰن ملک وزیر داخلہ کو ۱۹۹۶ء کے بعد سے وہ تمام مراعات مل جائیں گی جو کہ ایک ریٹائر افیسر کو ملتی ہیں۔ اگر ان کی تنخواہ اور دیگر الاؤنس ملا کر ایک لاکھ روپیہ (یہ صرف ہمارا اندازہ ہے ورنہ اس سے کئی گنا ہوگا) بنتا ہو تو چودہ سال کی رقم جو ابھی ان کو یک مشت ملے گی وہ کتنی بنتی ہے۔ اس کا اندازہ عوام خود لگالیں۔ دیکھ لیں صدر صاحب نے اپنے اختیارات سے عوام کا کتنا بھلا کیا۔

ہم کسی کو اختیارات کے ملنے پر ناخوش نہیں بلکہ صاحبان اختیار کو چاہیے کہ اپنے اختیارات منفی کی بجائے مثبت کاموں پر استعمال کریں، جن کی قوم کو اشد ضرورت ہے۔

رئیس الاحرارؒ کی بہو کا انتقال

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے چوتھے فرزند مولانا محمد طیب لدھیانوی ثم الدہلوی مرحوم کی اہلیہ گزشتہ ماہ دہلی میں وفات پاگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ راقم کی چچی تھیں۔ رئیس الاحرارؒ کے سات بیٹے تھے، جن میں میرے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ پاکستان میں قیام پذیر تھے۔ باقی چھ میں تین دہلی اور تین لدھیانہ میں مقیم تھے۔ ان سب کا انتقال ہوچکا ہے۔ مرحومہ بہت خدمت گزار عورت تھیں۔ رئیس الاحرارؒ کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی بڑی خدمت کی، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ رئیس الاحرار کو ملنے والے مہمانوں کی تعداد روزانہ سینکڑوں تک ہوتی تھی ان سب کے لئے کھانے پکانے میں پیش پیش ہوا کرتی تھیں۔ عبادت گزار عورت تھیں۔ میں ۲۰۰۷ء میں اپنے بچوں کے ہمراہ ان سے ملنے دہلی گیا، تو ان کا طرز ایک شفیق ماں کا تھا، انہوں نے ہمارا بڑا خیال کیا۔ ان کی اولاد نے بھی خندہ پیشانی سے ہمارے ساتھ خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے

قسط 1

رئیس الاحرارؒ اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم میں خط و کتابت

جماعت اسلامی کے بانی، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مرحوم نے ایک خاص نقطۂ نگاہ سے فہم دین کا نظریہ پیش کیا۔ اس پر انہوں نے ایک جماعت بھی ''جماعت اسلامی'' کے نام سے قائم کی۔ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اپنی تحریر کی کاٹ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ جس سے کوئی بڑی شخصیت محفوظ نہیں رہ سکی۔ جس پر علماء نے سخت گرفت کی۔ مودودی صاحب نے اپنے اس فن کا آغاز ۱۹۲۵ء میں سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے ایڈیٹر ہونے پر شروع کیا، جو کہ ۱۹۲۸ء تک رہا۔ ان کی تحریرات ''الجمعیۃ'' میں شائع ہونا شروع ہوگئیں۔ جس سے ابتداء میں بہت سے اہل علم متاثر ہوئے۔ ان ہی میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی شامل ہیں۔ انہی دنوں مودودی صاحب نے ایک کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' لکھی، جس کو اہل علم نے بہت پسند کیا۔ اس سے ان میں عجب پیدا ہوگیا، اور ''الجمعیۃ'' سے علیحدہ ہوگئے۔ اور حیدرآباد دکن چلے گئے اور ایک رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے نام سے جاری کیا۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کے ساتھ تعلق اس وقت سے تھا جب وہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے ایڈیٹر تھے۔ شروع میں رئیس الاحرارؒ کا مودودی صاحب کے متعلق حسن ظن غالب تھا۔ یہ خط انہی دنوں کا ہے۔

شفاعت منزل لودھیانہ...... ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۶ء

محترمی و مکرمی! السلام علیکم...... جب سے آپ نے ''الجمعیۃ'' سے علیحدگی اختیار فرمائی اور حیدرآباد تشریف لے گئے، اگرچہ اس کے بعد آپ سے ملاقات کا موقعہ نہیں ملا لیکن یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ آپ کو کسی علمی مجلس یا تقریر میں بھولا نہیں۔

آپ کی قلم سے حق تعالیٰ نے اسلام کی وہ خدمت لی ہے جس کی اس زمانہ دہریت میں ضرورت تھی پچھلے سو سال کے مسلمان مصنفین نے خواہ وہ کسی مسلک کے ہوں اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، غیر مسلموں کے اعتراضات سے خائف ہوکر جواب دینے کے وقت اسلام کی روح کو فنا کر

دیا۔ مگر آپ نے اس روح کو قائم رکھ کر جواب دیا۔ میرے نزدیک آپ جواب میں دفاع نہیں کرتے بلکہ معترض پر ہجوم کرتے ہیں۔

آپ نے کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' لکھ کر ایک ایسی حقیقت کو نمایاں کیا جو بالکل مسطور ہو چکی تھی۔

میں شروع ہی سے مسئلہ جہاد میں ہجوم کا قائل تھا اور اس بارہ میں میرے قلب کو اطمینان حاصل تھا۔

۲۲ء میں لالہ چیت رائے سے جیل میں میری گفتگو اس مسئلہ پر ہوئی اور وہ میرے جواب پر مطمئن ہو گئے۔ اپنی ہمت کے مطابق میں نے اس کتاب کے ان گوشوں تک پہچانے کی کوشش کی جہاں تک میں اس کو پہنچا سکتا تھا۔ ڈاکٹر اقبال سے بھی اس کتاب کا ذکر آیا، اس وقت میں نے آپ کے اس جدید مضمون کے متعلق جو آپ نے ''سرمایہ دار اور مزدور'' کے متعلق لکھا ہے کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے یہ مضمون دیکھا نہیں۔ میرے ایک دوست میجر فضل دین مرحوم جن کا ابھی ابھی انتقال ہوا ہے جو بہت زیادہ علم دوست تھے ان کو بھی یہ آپ کی کتاب منگوا کر دی گئی، ان کی رائے تھی کہ یہ کتاب انگریزی اور ہندی میں ترجمہ ہو کر شائع ہونی چاہیے۔

آپ کے رسالہ ''ترجمان القرآن'' کا علم ابھی تھوڑے دنوں سے ہوا ہے، یہ اسلام کی بڑی خدمت ہے۔

کل لاہور میں خواجہ عبدالوحید صاحب اڈیٹر ''اسلام'' سے آپ کے مضامین کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ میں نے ان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ آپ کا جدید مضمون جو ''سرمایہ دار اور مزدور'' کے نام کے متعلق شائع ہوا ہے وہ ٹریکٹ کی صورت میں لاہور کے کالجوں کے طلباء میں دو تین ہزار کی تعداد میں ضرور تقسیم کیا جائے۔ امید ہے کہ وہ ایسا کرینگے اور اردو میں بھی یہ مضمون شائع کیا جائیگا۔ انجمن خدام الدین کے سرپرست مولانا احمد علی صاحب ہیں اور رسالہ ''اسلام'' بھی اس انجمن کا ہے اور احقر کے مشورہ سے جاری کیا گیا تھا۔ آپ کے دو جدید مضمون پوری طرح میری نظر سے نہیں گذرے ''الجمعیۃ'' سے کچھ دیکھے تھے۔ میری خواہش ہے کہ آپ پنجاب لاہور آجائیں اور اس کا تذکرہ میں نے بہت دوستوں سے کیا ہے تاکہ آپ کی علمی قابلیت سے جدید علمی طبقہ فائدہ اٹھا سکے۔ اس سلسلے میں میں انجمن

خدام الدین سے بھی بات چیت کرسکتا ہوں، بشرطیکہ آپ آنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ اور میری اپنی رائے تو یہ ہے کہ آپ اللہ کے بھروسہ پر لاہور تشریف لے آئیں اور دنیا خود آپ کے پاس کھنچی ہوئی چلی آئیگی۔ کتاب ”الجہاد فی الاسلام“ کی قیمت کسی قدر کم ہونی چاہئے۔ پانچ روپیہ میں خریدتے وقت خریدار ضرور گھبراتے ہیں۔

رسالہ ”ترجمان القرآن“ جس وقت سے جاری ہوا ہے وہ مجھے سب کے سب بھیج دیں اور قیمت جو ہوگی روانہ کردی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ آپکو سلامت رکھے اور آپ کے علم سے دنیا کو نفع بخشیں اور قوم کی اصلاح فرمائے۔ والسلام۔

حبیب الرحمن لدھیانوی

دوسرا خط

جیسا کہ اس خط کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں رئیس الاحرارؒ ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، مگر جب ان کے رسالہ ”ترجمان القرآن“ کا مسلسل مطالعہ کیا تو رئیس الاحرار کا حسن ظن دم توڑ گیا۔ رئیس الاحرارؒ ہر اس شخص سے تعاون کرتے تھے جو کہ اسلام کی تبلیغ میں مخلص ہو۔ جب کوئی شخص اس راہ میں غلطی کرتا تو بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کو اس کے اس فعل پر ٹوک دیتے تھے۔ چنانچہ اس دوسرے خط میں رئیس الاحرارؒ نے یہی کیا۔

شفاعت منزل حبیب روڈ، لدھیانہ، 15-6-37

محترمی ومکرمی...... السلام علیکم: دہلی کی ملاقات کے بعد آپ کے تین رسالہ ابتک ملے ہیں۔ ایک ذیقعدہ کا اور اس کے بعد محرم اور صفر کا۔ مہربانی فرما کر وہ تمام رسائل آپ مجھے بھیج دیں۔ پچھلے سال میں آپ نے ان رسالوں کے جو بعد شائع کئے تھے وہ میں نے اکٹھے خرید لئے تھے۔ محرم اور صفر کے دونوں رسالے پڑھکر مجھے بے حد دکھ ہوا مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ آپ جیسا متین شخص بھی اپنے رسالہ کے حدود سے باہر نکل جائیگا۔

آپ کے رسالہ کا نام ”ترجمان القرآن“ اور اس کے نیچے لکھا ہوا ہے علوم قرآنی وحقائق

فرقانی کا ذخیرہ۔ آپکا رسالہ اور آپ کے علمی مصارف انہیں لوگوں کے لئے زیادہ مفید ہو رہے تھے جو آپ کے نزدیک فینسی مارکیٹ میں ایمان کی خرید و فروخت کا بیوپار بڑھتا ہوا دیکھ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آپ کے رسالہ کا مطالعہ ہندو کانگریسی بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنا شروع کر دیا تھا جو مذہب اسلام کے متعلق جدید سیاست میں پیدا ہو گئیں تھیں۔ مگر ہماری قومی بدقسمتی ہے کہ ہمارا یہ آدمی ایک ہی وقت میں تمام کام انجام دینے ضروری سمجھتا ہے۔ کاش ہم غیر مسلم تبلیغی انجمنوں سے یہ سیکھ لیتے کہ وہ ایک مبلغ کی حیثیت سے کبھی سیاسی معاملات میں دخل نہیں دیتی۔ کیا آپ کسی عیسائی مشنری کے رسالہ کا حوالہ دے سکتے ہیں یا کسی پادری کا نام بتا سکتے کہ وہ سیاسیات میں الجھا ہوا ہو؟ لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہم مبلغ ہوتے ہوئے سیاسیات کی پرخار وادی میں ضرور دخل دیتے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ ہم ایک تحریری جنگ کے علاوہ سیاست کے عملی میدان میں ایک کام کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور مجھے آپکی تحریر سے زیادہ جو دکھ ہوا وہ یہ ہے کہ آپکی تحریر آپکی نہیں معلوم ہوتی ظفر علی خاں کی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے معاف فرمائیں آپ "ترجمان القرآن" کے نام پر لوگوں سے معاوضہ لیتے ہیں لیکن جو تحریر آپ نے لکھی ہے وہ بالکل اس کے خلاف ہے۔

اصل تحریر کے متعلق صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں انگریز کو بُرا کہہ کر کانگریس کی مذمت کرنا یہ انگریز کی معاونت کا بہترین طریقہ ہے کیونکہ یہ چیز زیادہ موثر اور زیادہ قابل قبول ہوتی ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا سرتا پا غلط لکھا ہے۔ آپ کو دیانت داری سے یہ لکھنا چاہئے تھے کہ میرے جیسے قرآن کو سمجھنے والے چونکہ وطن کی آزادی کی تحریک میں شامل نہیں ہیں اس لئے یہ تحریک بے دینوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

آپ نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وطن کی آزادی تو ضروری ہے لیکن اس کے چلانے والے بے دین، مذہب فروش، منافق وغیرہ وغیرہ ہیں۔ آپکو یہ کہنا چاہئے تھا کہ تحریک آزادی میں مذہبی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قبضہ کرنا چاہئے تھا۔ مذہب کے سمجھنے والے تو آپ کی طرح کام کرنے والوں کو صرف گالیاں دیتے رہیں اور بے دین کام نہ کریں۔ تو آپ صاف ہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ انگریز کی

غلامی کرو یا قناعت کرو۔

تمام خانقاہوں اور حجروں والے بھی آپ جیسی باتیں کرتے ہیں لیکن عمل کے میدان میں ناکارہ اور بزدل۔ پچھلے دنوں جو آپ نے اسلامی سوشلزم پر مضامین لکھے تھے کیا آپ میں جان ہے کہ اس صداقت کو آپ کانگریس میں لے کر جائیں۔ مگر آپ ایک بے عمل مفتی کی طرح دنیا پر خفا ہو رہے ہیں۔ سنئے ہندوستان میں دو متعین راستے ہیں یا کھل کر انگریزوں کے ساتھ ہو جائیں یا اس کے مخالف ہو جائیں۔ ہندوستان کا جمہوری نظام بلا کسی مشترک جماعت کے چل نہیں سکتا اگر یہ دونوں راہ منظور نہ ہو تو کھل کر ہندوستان میں اسلام کی حکومت کا اعلان کیجئے مگر بے عمل مفتیوں کی طرح نہیں۔ باقی رہا کانگریس کے اندر شامل ہو کر دین پھیلے گا کہ بے دینی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جس قسم کے لوگ شامل ہونگے اسی قسم کے خیالات پھیلیں گے۔ آپ اس دنیا سے ناواقف ہیں ہم جانتے ہیں کہ نئے نوجوانوں پر خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان، اسلام کی تعلیم کا کتنا اچھا اثر ہوتا ہے بشرطیکہ ان کے رفیق مسلمان ہوں یا رہنما مذہب کو جاننے والے اور مذہب کے پابند ہوں۔ دنیا کو بہادر اور متقی فتح کر سکتا ہے۔ دینداری کا برقعہ پہن کر کام کرنے والوں کو گالیاں دینا کوئی بڑی جرأت نہیں ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کانگریس میں کام کریں یا قید و بند کے تصور سے اپنے ذہن کو پریشان کریں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کچھ نہ کریں۔ اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھیں اس سے باہر آپکا قدم رکھنا اپنے اور مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔

پرویز صاحب کے نام پر مولانا اسلم جیراجپوری کا جو مضمون چھپ رہا ہے آپ کے رسالہ کیلئے موزوں نہیں ہے اس قسم کے ہم سینکڑوں مضمون اور رسالوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مضمون کیا ہے سلف صالحین کے ارواح کو تکلیف دینا اور ان کے مذہبی وقار کو ختم کر کے اپنی بدعملی اور بے دینی کو جائز سمجھانے کی کوشش کرنا۔ اس قسم کے مضامین کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ قومیت کی مقدس کرسی پر بیٹھ کر موجودہ مسلمانوں کو اتفاق اور اتحاد کا وعظ کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی بے دینی اور بدعملی کو پردہ میں چھپا کر پچھلوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ میں نے یہ تحریر نہایت اخلاص کے ساتھ لکھی ہے اس کو اپنے رسالہ میں شائع فرما کر جو چاہیں لکھیں۔ والسلام

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

داڑھی کا قرآن سے شرعی ثبوت

جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو بگڑے ہوئے پایا، غصے میں حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک پکڑ لی، تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا یَا ابْنَ اُمَّ ، لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ (الآیۃ) یعنی اے میرے اماں جائے بھائی تو میری داڑھی اور سر کو مت پکڑ۔ اس آیت مبارک سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱)......حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی تھی۔ (۲)......داڑھی تمام انبیاء کا طریقہ مبارک ہے۔ (۳)......داڑھی کی مقدار قبضہ (مشت) کے برابر ہے، کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی قبضہ کے برابر تھی، ورنہ موسیٰ علیہ السلام کیسے ہاتھ میں پکڑ سکتے تھے۔ پس اس آیت سے داڑھی کا ثبوت اور مقدار یعنی کم از کم چار انگشت معلوم ہوا۔ والحمد للّٰہ علی ذالک۔

قرآن پاک میں ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ یعنی جس چیز کا تم کو نبی علیہ السلام حکم دیں اس کو پکڑ لو، اور جس سے روکیں اور منع کریں اس سے رُک جاؤ۔ یہ آیت قرآنی صحیح نص ہے۔ اس بارہ میں کہ جس چیز کا آں حضور ﷺ حکم دیں لوگوں کو اس پر عمل کرنا واجب ہے اور یہی حکم خدا ہوتا ہے، اور جس سے آں حضور ﷺ نے منع فرمایا تو یہ منع کرنا بھی اللہ کا منع کرنا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۔ یعنی جس نے نبی علیہ السلام کی فرمانبرداری کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔ آؤ ہم دیکھیں کہ داڑھی کی نسبت بھی شارع علیہ السلام نے کوئی احکام صادر فرمائے ہیں؟ چنانچہ دیکھئے بخاری جلد۲ صفحہ ۸۷۵ میں ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ خالفوا المشرکین او فرا اللحی واحفوا الشوارب۔

حدیث دوم: قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب۔

حدیث سوم: عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اعفوا اللحی واحفوا الشوارب (نسائی) بعض روایات میں ارخوا اللحی ہے اور بعض میں ارجوا ہے۔

حاصل ان روایات کا یہ ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی کو خوب بڑھاؤ یعنی زیادہ کرو اور مونچھیں خوب باریک کرو۔

مجمع البحار میں جو حدیث کی لغت ہے اس میں اعفوا اللحی کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، امر باعفاء اللحی ھوان یوفر شعرھا ولا یقص کالشوارب من عفا الشیٔ اذا اکثر وروی ارفوا بقطع الھمزہ والخاء المعجمۃ وروی ارجوا الجسم بمعنی الاوّل واصلہ ارجئو بھمزۃ فخففت ومعنی الکل ترکھا علی حالھا۔ یعنی حدیث میں اعفاء لحیہ کا حکم ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کے بال خوب زیادہ کیے جائیں اور بڑھائے جائیں ، کاٹے نہ جائیں (چہ جائے کہ سرے سے مونڈھ دیئے جائیں) عرب بولتے ہیں عفاء الشیٔ جب وہ بہت زیادہ ہوجائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ حدیث کے کل الفاظ سے مراد یہ ہے کہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے ، اور اس میں تغیر وتبدل نہ کیا جائے۔ نہ کترائی جائے، نہ منڈوائی جائے، نہ اس کی شکل بگاڑی جائے، چنانچہ فرماتے ہیں: ویکرہ حلقھا وقصھا وتحریفھا، یعنی مکروہ تحریمہ ہے منڈوانا، کاٹنا اور اس کی شکل بگاڑنا۔ مسلم شریف میں پانچ لفظ آئے ہیں، پس مذکورہ احادیث میں تمام صیغے امر کے ہیں۔ اور امر وجوب کے واسطے ہوتا ہے چنانچہ نور الانوار میں ہے وموجبہ الوجوب لاالندوب ولا الاباحۃ والتوقف یعنی موجب الامر الوجوب فقط عند العامۃ۔ یعنی علماء کے نزدیک امر کا حکم وجوب کا ہے یعنی بلا قرینہ صارفہ اباحۃ اور توقف اور استحباب مراد نہیں ہوتا۔ جب نبی کریم ﷺ داڑھی کے اپنی حالت پر چھوڑنے اور زیادہ بڑھانے کا امر فرما رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ امر وجوبی ہے۔ اور بالخصوص جبکہ قرآن کریم تصریح فرماتا ہو کہ جس چیز کا آں حضور ﷺ حکم دیں اس کو پکڑلو اور عمل کرو، تو نتیجہ یہ نکلا کہ درحقیقت داڑھی کا حکم قرآنی حکم ہے۔ اور جو شخص نبی ﷺ کے فرمان پر عمل نہ کرے وہ درحقیقت خدائی حکم کا منکر ہے۔ اطاعت خداوندی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے نبی کا اتباع کیا جائے جس کو اس نے اپنا پیام رسا بنا کر بھیجا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ یہی جگہ ہے کہ جہاں عموماً ہمارے روشن خیال حضرات پھسلتے ہیں اور جھٹ کہہ اٹھتے ہیں کہ صاحب داڑھی کی نسبت قرآن میں کوئی حکم نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حکم دے کہ جو کچھ میرے افسر لوگوں کو حکم دیا کریں تم پر لازم ہے کہ ان کی تعمیل کرو، پس جو شخص بادشاہ کے مقرر افسر کا حکم یہ کہہ کر نہیں مانتا کہ بادشاہ نے تو براہ راست اس چیز کا حکم نہیں دیا سو ہم کیوں تعمیل کریں، تو ذرا انصاف سے آپ ہی فرمائیں کہ کیا وہ شخص بادشاہ کا باغی اور سرکش نہیں ہے؟۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے صرف اس افسر ہی کی حکم عدولی

نہیں کی بلکہ وہ بادشاہ ہی کا نافرمان ہے۔

والمذهب عندنا ان السنه مبينه للكتاب مفسرة له هذا امر مجمع عليه۔ السنة قاضية على القرآن اى تفسره۔ الاعتبار فى الناسخ والمنسوخ من الآثار۔ صفحہ ۱۷

بخاری شریف صفحہ ۸۷۸ میں حدیث ہے۔ عن عبداللّٰہ بن مسعود قال لعن اللّٰہ الواشمات والمتواشمات المتنمصات والمتفلجات للحسن المتغيرات لخلق اللّٰہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ائمہ حدیث اپنی مسندوں اور صحاح میں روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان عورتوں پر جو گوندنے اور گوندانے والی ہیں اور منہ کے بال نوچنے والی ہیں اور سجاوٹ کی خاطر اپنے دانتوں میں کھڑکیا بنانے والیاں ہیں، انہوں نے اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو بگاڑا۔ یہ سن کر ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ سنا ہے آپ ایسا فرماتے ہیں، تو آپ نے فرمایا میں کیوں ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی، اور جس کا حکم قرآن میں ہے۔ اس عورت نے کہا کہ ہم نے تو اوّل سے آخر تک قرآن میں یہ ذکر نہیں دیکھا تو آپؓ نے فرمایا کہ تو نے یہ آیت نہیں پڑھی ما اتاكم الرسول فخزوه وما نهكم عنه فانتهوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی ہیں بڑے جلیل القدر، آپ نے ثابت فرمایا کہ نبی کا فرمان درحقیقت اللہ کا حکم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ یعنی تمہارے لئے نبی کریم ﷺ کی ذات پاک بہتر نمونہ ہے، لہذا اس سے بڑھ کر عمدہ پیروی کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو نبی علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑے وہ آنحضور ﷺ کا پیروکار نہیں، بلکہ ہوائے نفس اور خواہشات کا پیرو ہے۔ اور یہ مسلمان کی شان نہیں ہوسکتی کہ مؤمن کہلا کر نبی علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ چھوڑ بیٹھے۔ قرآن میں ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اگر تم اللہ سے دوستی رکھنا چاہتے ہو تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اتباع کرو تو تم کو اللہ دوست رکھے گا۔ سو داڑھی چونکہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور آنحضور ﷺ نے بارہا اس کو خوب بڑھانے کا حکم دیا ہے تو جو شخص داڑھی منڈواتا ہے اور جو اس میں قطع برید کرتا رہتا ہے بموجب آیت مذکورہ نہ اللہ کا دوست ہے نہ آنحضور ﷺ کا متبع، اسے خوب سمجھو۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز نخواہد بہ منزل رسید

قرآن پاک میں ہے: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آجائے، یا ان پر کوئی عذاب دردناک آنازل ہو۔

علامہ سید آلوسی بغدادیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:۔ وشاء الاستدلال بالآیة علی ان الامر للوجوب فانه تعالیٰ اوجب فیها علی مخالفة الامر وهو دلیل کون الامر للوجوب اذلا تهدید علی ترک غیر الواجب ۔یعنی آیت مذکورہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخالفت امر پر عذاب سے ڈرنے کو واجب کیا اور سخت وعید اور دھمکی اس بات کی دلیل ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔لہذا داڑھی بڑھانا واجب حکم قرآن ثابت ہوا، اور منڈوانا یا کترانا حرام۔ اور مرتکب اس کا باعث وعید شدید ہوا۔

تنبیہ ضروری

حسن قبح اشیاء کا عقلی نہیں بلکہ شرعی ہے، یعنی جس چیز کو شریعت حسن کہے وحسن ہے اور جس کو بری کہے وہ بری۔پس ہماری عقل اور تجربہ کو کسی چیز کو اچھا برا ثابت کرنے میں دخل نہیں، اور یہ بھی سمجھو کہ وجوب عمل ہمارے علم پر موقوف نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر احکام منصوصہ جن کا علم عوام کو نہیں واجب العمل نہ رہیں۔اس کے بعد آنحضور ﷺ ہیں آپ کے طفیل صحابہؓ وتابعین وائمہ مجتہدین ہیں، پس یہ محض مہمل بات ہے کہ جس کا ہم کو بذات خود قرآن وحدیث سے علم ہوا، اس پر عمل کریں گے اور بزرگوں اور ماہروں کے سمجھانے سے نہ سمجھیں گے۔الحاصل شریعت ہماری عقول کے تابع نہیں بلکہ ہمیں احکام شرعیہ کی پابندی کرنا ہوگی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اگر دین کا معاملہ عقلی اور قیاسی ہوتا تو میں موزوں کے اوپر مسح کرنے کی بجائے نیچے مسح کیا کرتا۔لہذا آپ کی ماہریت قرآنی ملاحظہ ہو۔آپ فرماتے ہیں ۔لو شئت لاوقرت من تفسیر الفاتحة سبعین بعیرا ۔یعنی اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔

خود قرآن میں موجود ہے۔تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۔یہ کہاوتیں ہیں جو سب لوگوں کے لئے بیان ہوتی ہیں، مگر ان کو عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے قرآن مجید کی تفسیر حدیث شریف ہے، اور حدیث کی تفسیر فقہ ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری ہے، فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔جب تم نہیں جانتے تو علماء ومجتہدین سے دریافت کرو، کیونکہ وہی روح قرآنی سے واقف ہیں۔دوسری جگہ ارشاد ہے لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ،جن میں مادہ

استخراج واستنباط مسائل کا ہے، وہ اس کو جانتے ہیں۔

داڑھی سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور اس کی تحدید

قبل ازیں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ داڑھی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ مبارک ہے، اور یہ کہ آنحضور ﷺ نے داڑھی کو خوب بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ آیات و احادیث بقدر حاجت مذکور ہوئیں۔ اب آنحضور ﷺ کی ریش مبارک کے متعلق ارشادات حدیثیہ سنئے۔

(۱):۔ جمع الفوائد صفحہ ۷۳ میں حدیث ہے۔ عن ابی الدرداء قال توضأ الرسول اللّٰہ ﷺ فخلل لحیۃ (معجم کبیر) یعنی آنحضور ﷺ نے وضو فرمایا پس ریش مبارک کا خلال کیا۔ خلال کے شرعی معنی ہیں وضو میں اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو داڑھی کے اندر کی جانب سے باہر کو نکالنا، کما فی کتب الفقہ۔

(۲):۔ عن عثمان ان النبی ﷺ اخذ کفا من ماء فید خلہ تحت حنکہ ویخلل بہ اذا توضأ لحیۃ ویقول ھکذا امرنی ربی۔ یعنی جس وقت آنحضور ﷺ وضو فرمایا کرتے تو پانی کی ایک لپ لیکر ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اس سے داڑھی کا خلال کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک دراز ہوتی تھی، ورنہ ایک دو انگشت یا تین انگشت کی مقدار میں خلال کے کیا معنی۔ وہاں تو خود بخود جلد تک پانی پہنچ جائے گا۔ اور جو چیز پہلے ایک دو انگشت ہو اس میں انگلی کدھر سے داخل ہوگی اور اس کی ضرورت ہی کیا پڑے گی۔

(۳):۔ عن عثمان ان النبی ﷺ کان ید خل لحیتہ (ترمذی شریف)

(۴):۔ عن عبداللّٰہ بن سحرۃ سئلنا جنابا کان النبی ﷺ یقرء فی الظھر والعصر قال نعم قلت بای شیٔ کنتم تعرفون قرائۃ باضطراب لحیۃ (بخاری وابوداؤد)

عینی شرح بخاری میں ہے، کانوا یرون اضطراب لحیۃ من جنبیہ۔ یعنی صحابہ کرامؓ آنحضور ﷺ کی کا اضطراب اور حرکت کرنا نماز میں دیکھا کرتے تھے۔ جب وہ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک کا حرکت کرنا دیکھتے تو سمجھتے تھے کہ آنحضور ﷺ قراءۃ فرما رہے ہیں۔

یہ حدیث بھی آنحضور ﷺ کی ریش مبارک کی درازی کی بین دلیل ہے۔ مقصر اللحیہ کی داڑھی کیا حرکت کرے گی۔ اضطراب ریش تو وہاں متصور ہی نہیں۔ اس واسطے کہ آیۃ قراءۃ پڑھنے والے کا حال پیچھے کھڑے ہونے والے کو سوائے ریش کے بالوں کی حرکت کے معلوم ہی نہیں ہوسکتا۔ اور جب بال ہی نہ ہونگے یا چھوٹے ہونگے تو وہ کیا حرکت کریں گے۔ کیونکہ وہ

جڑوں کے تابع ہیں، ہاں خوب دراز ریش کے بال ادھر ادھر سے حرکت کرتے دکھائی دے سکتے ہیں۔ فافہم

(۵):۔عن عائشة کان لایفارق مسجد رسول اللہ ﷺ سواکه ومشطه وکان ینظر فی المراة اذا سرح لحیة (معجم الاوسط للطبرانی جمع الفوائد) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کی مسجد مبارک سے دو چیزیں علیحدہ نہیں ہوتی تھیں۔(۱) آنحضور ﷺ کی مسواک،(۲) اور آنحضور ﷺ کی کنگھی۔ اور جب آنحضور ﷺ داڑھی میں کنگھی پھیرا کرتے تھے تو شیشہ دیکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ریش مبارک کی درازی میں اس سے بڑھ کر روشن دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی داڑھی میں کنگھی کرنے کے کیا معنی۔ کنگھی کر کے بال درست کرنا جب ہی متصور ہے کہ داڑھی کے بال لمبے اور طویل ہوں، بھلا ایک دو انگشت میں کیا کنگھی کی جاسکتی ہے۔ سرح لغت میں الجھے ہوئے بالوں کو درست اور سیدھا کرنے کو کہتے ہیں، کما فی الصحاح للجوھری، چھوٹے چھوٹے بالوں میں الجھاؤ ہو ہی نہیں سکتا۔

(۶):۔وفی البخاری وابی داؤد جمع الفوائد، عن المسود بن محرمة۔ فی حدیث طویل ان عروة جعل یکلم النبی ﷺ فکلما کلمه اخذ بلحیه والمغیرة بن شعبة قائم علیٰ رأس النبی ﷺ ومعه السیف وعلیه المغفر فکلما اھوی عروة بیده الی لحیة النبی ﷺ ضرب یده نبعل السیف وقال اخر یدك عن لحیة رسول اللہ ﷺ۔ صلح حدیبیہ کے وقت کفار مکہ کی جانب سے عروہ آنحضور ﷺ سے بات چیت کرنے کے لئے سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ آنحضور ﷺ سے جب بات کرتا تو آنحضور ﷺ کی ریش مبارک پکڑ لیتا۔ حضرت مغیرہ صحابی آنحضور ﷺ کے پاس کھڑے تھے، تو جب عروہ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک پکڑنے کا ارادہ کرتا اور ہاتھ بڑھاتا تو حضرت مغیرہ تلوار کے پھل کو اس کے ہاتھ پر زور سے مارتے تھے کہ نبی علیہ السلام کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاؤ۔ الخ۔(ف) یہ عروہ بعد میں ایمان لے آئے تھے، ان کو ان کی قوم نے شہید کردیا تھا۔ یہ حدیث آفتاب فی نصف النہار کی مانند بتلارہی ہے کہ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک اتنی دراز تھی کہ قبضے میں آسکتی تھی، قبضہ عربی زبان میں مٹھی بھر جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے فاخذ قبضة صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں: ھی بالضم ملأ الکف وربما یفتح۔ یعنی قبضہ قاف کی پیش سے ہاتھ کی ہتھیلی کے بھر جانے کو کہتے ہیں۔ اور قاف کو فتح کے ساتھ بھی آتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ داڑھی کے بالوں سے تب ہی بھرے گی جب کہ ہتھیلی کی مقدار یعنی چار

انگشت کے برابر بلکہ زائد ہو۔فافہم۔

(۷):۔عن جابر بن سمرة کان النبی قد شمط مقدم رأسه ولحیة و کان کثیر شعر اللحیة (رواہ النسائی ومسلم) حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ریش اور سر مبارک کے صرف چند بال سفید تھے۔سر اور داڑھی مبارک کے اگلے حصے سے اور آنحضور ﷺ کی ریش مبارک بہت گھنی تھی ۔ یہ روایت نسائی اور مسلم شریف میں ہے۔

(۸):۔عن الحسن بن علی سألت خالی هند ابن ابی هالة التمیمی ان یصف لی منها شیأ اتعلق به فقال کان النبی ﷺ فخما مفخما یتلا لاء وجه تلا لاء القمر لیلة البدر اطول من المربوع اقصر من المشذب عظیم الهامة رجل الشعر اذا هو وفرة ازهر اللون واسع الجبین ازوج الحواجب سوابغ من غیر قرن بینهما اقنی العرنین له نور یعلوه کث اللحیة ادعج الخ (مختصراً،ترمذی شریف معجم کبیر للطبرانی ،جمع الفوائد)

یہ بہت طویل حدیث ہے ہم نے اختصار کر کے ساتھ چند شروع کے جملے ذکر کر دیئے۔حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند سے دریافت کیا کہ میرے سامنے آپ آنحضور ﷺ کا حلیہ مبارک اور ذاتی اوصاف بیان فرمائیں تاکہ میں ان پر عمل کروں،اور دل کا تعلق جوڑوں ۔فرمایا کہ آنحضور ﷺ کا بدن مبارک وھراتھا،اعضاء گوشت سے پُر،چہرہ مبارک یوں چمکتا تھا،جیسے چودویں رات کا چاند۔قد مبارک نہ زیادہ نہ پست،نہ زیادہ طویل بلکہ میانہ قد اوپر کو اُٹھتا ہوا۔بال مبارک سر کے ایسے جیسے کنگھی کی ہوئی ہو،کانوں کی لو تک لٹکے ہوئے،روشن چمکتا ہوا رنگ،کشادہ پیشانی،بھویں نہایت باریک اور کمان کی مانند بھری ہوئیں،اور ان دونوں میں باہمی اتصال نہ تھا،ستواں کھڑی ناک،اس پر نور چمکتا تھا،نہایت بھاری اور گھنی ریش مبارک،سیاہ بڑی بڑی آنکھیں۔ یہ تو آنحضور ﷺ کا حلیہ مبارک ہے۔کہ ریش مبارک نہایت بھاری اور گھنی تھی۔اور دنیا جانتی ہے کہ بھاری اور گھنی داڑھی کسے کہتے ہیں۔ہمارے نیوفیشن جوانوں بلکہ تمام مقصر اللحیہ کا حلیہ یوں ہونا چاہیے م حلق اللحیہ۔اور مقصر اللحیہ اور مختصر اللحیہ یعنی داڑھی منڈانے والے مختصر داڑھی والے،داڑھی کو خشخاشی یا چھوٹی چھوٹی کرنے والے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

سبحان اللہ مسلمانو!صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو داڑھیاں بڑھانے کا شوق اور ہم کو داڑھی منڈانے کترانے کا شوق۔حدیث میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے صرف داڑھی کا ایک بال تھا،میں جنگ بدر میں گیا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے گھنی داڑھی عطا فرمائی۔ کما فی النهایة لابن اثیر و مجمع البحار۔

تاریخی حقائق — فراستِ خلیفۂ بلا فصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کے چند اوراق

حضرت مولانا ظفیر الدین

آفتابِ نبوت ظاہری طور پر دنیا سے روپوش ہو چکا ہے، اب سوال یہ آن پڑا کہ نبی اکرم ﷺ کا خلیفہ کون ہوگا۔ رؤسائے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں، اور بر بنائے اخلاص یہ سمجھ رہے ہیں کہ خلافت رسول کے سب سے زیادہ مستحق ہم لوگ ہیں۔ ادھر مہاجرین بھی پہنچ چکے، یہ سمجھتے ہیں کہ خلیفۂ رسول کوئی مہاجر منتخب ہو۔

بات یہاں تک پہنچی کہ ایک امیر انصار سے ہو اور ایک مہاجرین سے۔ کہ اتنے میں ایک انصاری بزرگ بشیر بن سعد کھڑے ہو گئے اور اپنی جماعت انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

> اے جماعت انصار! اگر ہم نے اسلام کی خدمات میں حصہ لیا تو اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے لیا، اس میں کسی پر احسان جتانے کا کیا موقع ہے؟ اور اس عوض متاعِ دنیا طلب کرنا کہاں مناسب ہے؟۔

یہ ہے اخلاص اور حق گوئی کی ایک مثال، جو لوگ اپنی خدمت کے معاوضہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور اپنی قومی خدمت کو دلیل بناتے ہیں۔

اسمبلی، کونسل اور حکومت کی کرسی حاصل کرنے کے لئے، ان کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و بصیرت ہے۔

صدیق اکبرؓ متفقہ طور پر خلیفۂ رسول ﷺ منتخب ہو گئے۔ اور خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے پہلا بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کرو۔ دیکھو سچائی امانت ہے

اور جھوٹ خیانت ہے، تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلادوں، انشاء اللہ۔ اور تم میں جو شخص قوی ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے دوں، انشاء اللہ۔ دیکھو! جس قوم نے بھی اللہ کے رستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اسے ذلیل کر دیا، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے اللہ اس میں مصائب کو پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔

یہ اپنی منصبی اور دینی ذمہ داری کا احساس ہے۔ نہ خودستائی ہے کہ میں دودھ کی نہریں بہادوں گا، اور نہ تعلّی ہے کہ میں بہت زیادہ قابل احترام ہوگیا ہوں۔ ہاں غریبوں کی حمایت کا اعلان ہے کہ وہ بھی میرے نزدیک وہی حیثیت رکھتے ہیں جو مالدار۔ اور اخلاق واعمال کی اصلاح کے لئے دردمندانہ اپیل ہے۔ ہمارے اس زمانے میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

صدیق اکبرؓ لشکر اسامہؓ کو اس طرح روانہ کر رہے ہیں کہ حضرت اُسامہ گھوڑے پر سوار ہیں اور خود خلیفہ ان کے ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔

حضرت اسامہؓ کہتے ہیں، یہ بھلا معلوم نہیں ہوتا کہ خلیفہ پیدل ہو اور اس کا ادنیٰ سپاہی سوار۔ یہ سن کر صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

اللہ کی قسم دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوسکتی۔ کیا حرج ہے، اگر میں اللہ کے راستہ میں تھوڑی سی دور تک اپنا پاؤں غبار آلود کرلوں، جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سونیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

یہ ہے جذبۂ ایمان، ان اسلاف کا قلب ودماغ کتنا روشن تھا۔ اور ملاحظہ فرمائیے جب جدا ہونے لگے تو سپہ سالار کو کیسی سنہری اور بیش قیمت نصیحت فرما رہے ہیں۔ صدیق اکبرؓ خلیفہ کی حیثیت سے ہدایات دے رہے ہیں۔

دیکھو! خیانت نہ کرنا ،دھوکہ نہ دینا ،مال نہ چھپانا ،کسی کے اعضاء نہ کاٹنا ،بوڑھوں اورعورتوں کوقتل نہ کرنا ،کھجور کے درختوں کونہ جلانا ،پھل والے درختوں کونہ کاٹنا ،اورکھانے کی ضرورت کے سوا کسی بکری گائے یا اونٹ کوذبح نہ کرنا۔تمہاراگزر ایک قوم پر ہوگا جو دنیا کوچھوڑ کرخانقاہوں میں بیٹھی ہوگی ،تم اسے کچھ نہ کہنا۔

ان نصیحتوں کوباربارپڑھیے اورغورکیجیے کہ ایک خلیفہ اپنی جہاد پر جانے والی فوج کوکتنی بیش بہا ہدایت کررہا ہے۔انصاف سے سوچیئے کہ اس میں وحشت ودرندگی کا خاتمہ ہے ،یاطوفان بدتمیزی کی اجازت۔کیا آجکل کے حکمرانوں کے لئے ان نصیحتوں میں غوروفکراوراقتداء کی بات نہیں ہے ،اوریقیناً ہے ،توپیروی کرنی چاہیے۔

فتنۂ ارتداد کی آگ مشتعل ہے ،لوگوں نے زکواۃ کی ادائیگی سے انکارکردیا ہے۔صدیق اکبرؓ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے ہیں۔سب لوگ یہ رائے دیتے ہیں کہ وقت نازک ہے ،جولوگ صرف زکواۃ ادا کرنے ہی سے انکارکرتے ہیں ،ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔

مگر خلیفۂ رسول سمجھ رہے ہیں کہ آج کی معمولی بات رعایت دین کی بنیاد ہلاڈالے گی ،اعلان فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم! اگرکوئی ایک بکری کا بچہ کے دینے سے بھی ،جورسول اللہﷺکودیا جاتا تھا ،انکارکردیگا تومیں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔

اسے کہتے ہیں عزیمت اوردینی حمیت وغیرت۔حق کے لئے اس کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کون ساتھ دیتا ہے اورکون نہیں۔اسلام کی راہ میں رُو رعایت پسند نہیں۔

اس موقع پر اپنے سپہ سالاروں کے نام صدیق اکبرؓ نے جوہدایت نامہ جاری کیا تھا ،وہ ہم سب کے پڑھنے کے لائق ہے ،فرماتے ہیں:

میں مجاہدینِ اسلام کوہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہرحال میں اللہ سے ڈریں ،حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں ،جولوگ حلقۂ اسلام سے نکل کرشیطان کے جال

میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں۔لیکن تلوار اُٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں، اور ان پر حجت پوری کردیں، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان پر ہاتھ روک دیں............امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے، دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھسا جائے، خوب دیکھ بھال کر داخل ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔فوج کا سردار کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے، ان کی دیکھ بھال رکھے، ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے، اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔

اس ہدایت میں کہیں خود غرضی، جذبات اور بے جا پاسداری کا نام ونشان نہیں ہے۔لفظ لفظ پہ اخلاص وللّٰہیت عیاں ہے۔مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑی عبرت وبصیرت ہے۔

۱۳ھ ہجری میں مہمات شام سامنے آئے تو فوج کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر کے مختلف اطراف میں بھیجا۔اس موقع پر بھی لشکر کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور پیدل تشریف لے گئے۔

اور رخصت کرتے ہوئے سرداران لشکر کو جو بیش قیمت نصیحتیں فرمائیں ان میں سے بعض سنہری نصیحتیں یہ ہیں:

(۱)......ہر حال میں اللہ سے ڈرو، وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔

(۲)......اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے ساتھ بھلا برتاؤ کرنا۔

(۳)......جب انہیں نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا، کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصہ دوسرے کو بھلا دیتا ہے۔

(۴)......پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا، دوسرے خود بخود اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

(۵)……جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزت کرنا۔

(۶)……اپنے بھید کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔

(۷)……ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔

(۸)……رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔

(۹)……لشکر میں پہرہ چوکی کا انتظام کرنا، کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی کرتے رہنا۔

(۱۰)……جھوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔

(۱۱)……جن سے ملنا اخلاص سے ملنا، اور بزدلی اور خیانت سے بچنا۔

(۱۲)……تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں، ان سے ہرگز نہ الجھنا، اور نہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

خلیفۂ اسلام کی اس ہدایت کو غور و فکر کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔ انسان اور خداوندی قانون میں جو فرق ہوسکتا ہے وہی فرق آپ کو اس ہدایت نامہ اور آجکل کے موجودہ وزراء کی ہدایتوں میں نظر آئے گا۔ اللہ کا خوف ہمارے اسلاف پر کتنا غالب تھا۔ یہ نہیں فرمایا کہ قانون کی خلاف ورزی تمہاری دنیاوی ہی زندگی کے لئے مضر ہوگی بلکہ زیادہ حوالہ اللہ اور آخرت کا ہے۔

ظاہر کے ساتھ باطن کی اصلاح کا بھی حکم ہے۔ دوسروں کے عیب سے زیادہ اپنے عیوب پر نظر رکھنے کی تاکید ہے۔ کاش آج کا مسلمان ان باریکیوں کو یقین کے ساتھ سمجھ لے اور عمل پیرا ہوجائے۔

ارباب حکومت اور سپہ سالاران افواج کے لئے ان نصیحتوں اور ہدایتوں میں بڑا بیش قیمت سبق ہے۔ وہ اس کو پڑھیں اور نیچے والوں کو سنائیں۔

شام کی مہمات کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تین چار جماعتیں الگ الگ سپہ سالار کی قیادت

میں روانہ ہوئی تھیں۔ رومی فوج ہر ایک کے مقابلہ میں کئی کئی گنہ زیادہ روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ اڑھائی لاکھ رومی فوج چار مختلف حصوں میں بٹ کر آ رہی ہے۔ اگر ہم نے الگ الگ مقابلہ کیا تو پیس ڈالے جائیں گے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے رائے دی کہ ہم سب یکجا ہو کر مقابلہ کریں تو انشاء اللہ تعداد کی قلت مضر نہ ہوگی۔ سب نے آپ کی اس رائے کو پسند کر لیا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اجازت مرحمت فرمادی مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا:

> مسلمان تعداد کی کمی کے سبب کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے، البتہ اگر وہ گناہوں میں گھر گئے تو مغلوب ہو جائیں گے، لہذا انہیں گناہوں سے بچنا چاہیے۔

ایمان پر پختگی اسے کہتے ہیں۔ آجکل جو مسلمان کفر کے خوف وہراس سے مرتے جارہے ہیں اسے بار بار پڑھیں، اور خوب غور کریں کہ کیا بات یونہی نہیں ہے؟ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئی ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاریخوں سے پوچھا جائے کہ مسلمان کبھی قلت تعداد سے گھبرائے؟ اللہ کی قسم اگر آج بھی مسلمان گناہوں سے ہاتھ اٹھالیں تو دنیا کی ساری طاقت مل کر بھی ایک مسلمان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ موجودہ دور میں بھی ان خدا ترس بزرگوں کو دیکھیے جو گناہوں سے الگ تھلگ ہیں وہ کیسی باعزت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ممالک اسلامیہ کے ارباب حکومت اور دوسرے افراد امت کے لئے بھی "نامۂ صدیقی" میں بڑی عبرت وبصیرت ہے۔

جو دوسروں کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں وہ لرزہ بر اندام ہیں کہ اگر فلاں حکومت مجھ سے خفا ہوگئی تو خیر نہیں۔ کیا یہ سارے حالات، اعمال واخلاق کی پیداوار نہیں ہیں؟ کاش مسلمان سوچتے کہ کیا تھے اور گناہوں نے ان کو کتنا پامال کر دیا۔

صدیق اکبرؓ کی مدت خلافت کل دو سال تین مہینے اور دس دن ہے۔ مگر اس قلیل عرصہ میں آپ نے جو کارنامے سرانجام دیئے اس کی گواہی تاریخ کے پارینہ اوراق دے رہے ہیں۔ ۱۳ / جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو جب آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور آپ کو اپنی وفات قریب نظر آنے لگی تو آپ نے

یہ وصیت فرمائی:

میری زمین فروخت کر کے اس کی رقم بیت المال میں ادا کر دی جائے جو میں نے وظیفہ خلافت کی صورت میں وصول کی ہے۔

دیکھئے خلیفہ اسلام کی خشیت الٰہی، بیت المال کی جو رقم صحابہ کرامؓ کے مشورے سے لینا قبول کیا تھا، اسے بھی آخری وقت میں ادا کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی۔ اور بیت المال کی کل رقم آپ کی جائیداد سے ادا کر دی گئی۔ حالانکہ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی دولت اسلام کے نام پر نچھاور ہوتی رہتی تھی۔

جو خلافت سے پہلے کامیاب کاروبار کے مالک تھے اور دربار خلافت ہی کی وجہ سے صحابہؓ نے آپ کو مجبور کیا تھا کہ کاروبار چھوڑ دیئے، بیت المال سے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کیجیے۔

کیا اس وصیت صدیقی میں ان ارباب حکومت کے لئے کوئی سبق نہیں جو لاکھوں، کروڑوں ماہانہ حکومت کے خزانے سے وصول کرتے ہیں اور پھر عوام پر احسان جتاتے ہیں۔ جن حکام اور افسروں نے حکومت کے خزانے کو اپنی موروثی جائیداد سمجھ رکھا ہے۔

اپنی وفات کے قریب صدیق اکبرؓ نے کفن کے متعلق وصیت کرتے ہوئے فرمایا:۔ جو کپڑا میرے بدن پر ہے اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا۔

اس پر آپ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یہ تو پُرانا ہے؟ یہ سن کو آپ نے جواب دیا "میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے۔

اللہ اکبر یہ ہے عجز و انکساری۔ جس نے اپنی زندگی میں لاکھوں روپے اسلام کی اشاعت اور تبلیغ دین میں خرچ کیے، بیسیوں غلام اور لونڈیوں کو آزاد کیا، سینکڑوں یتیموں اور بے کسوں کی امداد کی۔ اس نے آخری وقت میں یہ بھی نہ پسند کیا کہ اس کے کفن میں نیا کپڑا دیا جائے۔

آپ کی یہی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے بعد انسانی جماعت میں سب سے برگزیدہ آپ ہیں۔

انہی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے واقعہ ہے جب رسول اکرم ﷺ کی وفات کی خبر جانثاروں پر بجلی بن کر گری اور بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے ہوش حواس جاتے رہے اس وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی:۔

جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کا آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد وہ آیت پڑھی جس میں رب العزۃ نے یہ خبر دی تھی کہ محمد ﷺ اللہ کے ایک رسول ہی تو ہیں، جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا خدانہ خواستہ یہ رسول ﷺ وفات پا جائیں گے یا شہید ہو جائیں گے تو تم دین سے پھر جاؤ گے۔

اس تقریر کا صحابہ کرامؓ پر بہت ہی اچھا اثر ہوا، اور آنکھوں کے سامنے سے وہ پردہ اُٹھ گیا جو غم اور افسوس نے ڈال دیا تھا۔

اس تقریر پر غور کیجیے کہ ایمان کتنا مضبوط اور ٹھوس ہے، عاشق نبی ہیں، ان کی ایک ایک ادا پر جان دیتے ہیں، مگر جب دین کی بات آ گئی تو کتنی برجستہ اور بروقت تقریر فرمائی۔

شروع اسلام کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ صدیق اکبرؓ کافروں کے مظالم سے مجبور ہو گئے اور حبشہ کے لئے ہجرت کا ارادہ فرما لیا۔ ابن لدغنہ جو کافر تھا اس سے ملاقات ہو گئی، وہ کہہ سنکر واپس لے آیا اور اپنی پناہ کا اعلان کرا دیا۔

مگر یہ پابندی عائد کرنی چاہی کہ قرآن کی تلاوت جہری نہ فرمائیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری پناہ کی ضرورت نہیں مجھے اللہ کی پناہ ہی کافی ہے۔

اللہ پر ہمارے اسلاف کا کتنا اعتماد اور بھروسہ تھا، اللہ اکبر! کہیں ان میں ذرہ برابر جنبش اور کمزوری کا اس سلسلہ میں پتہ نہیں چلتا۔ کاش یہ کھوئی ہوئی دولت پھر ہمیں میسر آ جائے۔

دین سے شیفتگی کا ایک واقعہ اور درج کیا جاتا ہے۔ سوچنا چاہیے کہ خلیفۂ رسول کو دین کی

عزت کتنی محبوب تھی۔ایران میں ایک مقام ''حیرہ'' ہے ضرورت آپڑی تو یہاں سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام کی طرف بھیج دیا گیا۔یہاں ان کا قائم مقام حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ قرار پائے۔

حضرت مثنیٰؓ کے پاس صرف آدھی فوج رہ گئی۔ایرانیوں نے حملہ کردیا ،مگر مقابلہ کیا اور کامیاب بھی رہے۔لیکن ایرانی چین سے نہیں بیٹھے بلکہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پرحملہ کی تیاری شروع کردی۔حضرت مثنیٰؓ نے مناسب سمجھا کہ دربار خلافت کو اطلاع دیجائے۔اپنا ایک قائم مقام بنا کر خود چل دیئے۔جس دن یہ مدینہ پہنچے صدیق اکبرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔پھر بھی حضرت مثنیٰؓ کو بلوا کر ان سے کل حالات سنے۔اور اسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا بھیجا،اور جب وہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔

اے عمر! مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اب دنیا سے رخصت ہورہا ہوں،اگر میں مرجاؤں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے مدینہ سے فوج روانہ کرو،دیکھو اس کام میں دیر نہ کرنا،یہ دین کی عزت اور حرمت کا معاملہ ہے۔

یہ سوز وگداز دیکھتے ہیں،سب دین کے لئے ہے،اللہ کے لئے ہے،اور اس کے دین کی سربلندی اور اشاعت کے لئے ہے۔موت کو لبیک کہہ رہے ہیں،جتنا موقع بھی مل رہا ہے وہ اسلام کی اشاعت کی فکر میں گزار رہے ہیں۔

دنیا کی کوئی بات سامنے نہیں ہے۔کاش مسلمانوں کی سوئی ہوئی غیرت جاگے اور احساس کرے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ہمارا جینا مرنا،کھانا،پینا،اور چلنا پھرنا کس کے لئے ہونا چاہیے۔

بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانہ میں خدا کا آخری پیغام ہے

کب آئے گی وہ گھڑی؟

اوریا مقبول جان

کب آئے گی وہ گھڑی جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو؟ یہ سوال ہر نبی سے اس کی قوم نے اس وقت کیا جب وہ اپنے حال میں مست اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو نظر انداز کرتی رہی۔ کوئی کم تولنے میں مصروف تھی اور دولت کما رہی تھی، کسی کو اپنے مضبوط نا قابل تسخیر پہاڑوں میں تراشے ہوئے گھروں پر بھروسہ تھا، کوئی نعمتیں حاصل کر کے اللہ کے راستے میں جہاد سے انکار کرتی اور کہتی کہ جاؤ تم اور تمہارا اللہ ان سے لڑے اور کسی کو اپنی جنسی بے راہ روی کا پُر تعیش نشہ بدمست کیے ہوئے تھا۔ یہ سب لوگ جوں جوں اپنے حال میں مست اور اپنے انکار میں پختہ ہوتے جاتے ان کے سوال میں شدت آتی چلی جاتی اور بار بار یہ سوال تمسخر کے طور پر پوچھتے

"کب آئے گی وہ گھڑی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے"

اور پھر میرا اللہ ان انبیاء سے کہتا کہ انہیں کہہ دو کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے میں تو بس ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔ انبیاء اور وہ لوگ جو اللہ کی فطرت کے رازدان ہو جاتے ہیں جنہیں ان کی عبادتیں اور ریاضتیں یہ سکھا دیتی ہیں کہ اللہ کس بات پر خوش اور کس بات پر ناراض ہوتا ہے، کس قسم کی قوموں کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اور کن گروہوں پر اپنا غصہ اور غضب نازل کر دیتا ہے انہیں وقت سے پہلے اس بات کا دھڑکا لگ جاتا ہے کہ اس قوم کی جو حالت ہے یہ اسے کہیں اللہ کے غصے کا شکار نہ کر دے۔ ان کے دل و دماغ اس موسمی آلے کی طرح ہوتے ہیں جو بارشوں اور طوفانوں کی آمد کی اطلاع دیتا ہے۔

لیکن جن قوموں کا مقدر ایک عذاب سے گزرنا اور غضب کا سامنا کرنا ٹھہرے انہیں کوئی لاکھ خبر دے، ہزار بار بتائے کہ طوفان تمہاری جانب بڑھ رہا ہے مگر ان کی حالت شراب میں بدمست محمد شاہ رنگیلے کی طرح ہوتی ہے جسے کاغذ پر اطلاع ملی کہ تیموری فوجیں اس کے شہر کی جانب بڑھ رہی ہیں تو اس نے کاغذ کو اٹھا کر شراب کے گلاس میں ڈالا اور کہا "ایں دفتر لایعنی غرق مئے ناب اولیٰ" یہ بے معنی

کاغذ شراب میں غرق ہو چکا ہے۔

پکارنے والے پکارتے رہے اور پھر تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔کوئی اپنی دعائے نیم شب میں اللہ کے حضور اس قوم کی معافی کا طلب گار ہو گیا؟ اور کسی نے اپنی آہ سحر گاہی کے آنسو مغفرت طلب کرنے میں وقف کر دیئے؟۔لیکن بقول سیدنا علیؓ "کسی قوم کی بد قسمتی کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ ان کی اجتماعی دعائیں بھی قبول ہونا بند ہو جائیں۔ہم میں سے کچھ گروہ اجتماعی استغفار بھی کرتے رہے ،بارش کی دعائیں بھی مانگتے رہے، اللہ سے گڑگڑا کر امن کی بھیک بھی طلب کرتے رہےلیکن شاید ان چھوٹے چھوٹے گروہوں کے سامنے اس قوم کی بد اعمالیوں ،مظالم پر خاموشی ،اور اپنے حاکموں کے سامنےکلمۂ حق کہنے کا خوف اتنا تھا کہ میرے رب کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو سکا۔

ہم نے اپنے سارے عذاب کا حل دو چیزوں میں ڈھونڈا۔ایک یہ کہ حکومت کی رٹ قائم کی جائے۔کچل دیں گے، ختم کر دیں گے، کمر توڑ دیں گے، قابو پا لیا ہے، سب بھاگ رہے ہیں۔ہمیں اس رٹ کو قائم کرتے ہوئے اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ ہماری اس گھن گرج میں کتنی معصوم جانیں ماری گئیں، کتنے بے گناہ زندہ درگور ہو گئے، کتنے گھرانے اجڑ گئے ،گھر بے گھر ہو گئے۔البتہ ہمیں روز میڈیا پر یہ کہنے کا موقع ضرور مل گیا کہ ہم نے کمر توڑ دی ہے۔دوسری بات یہ تھی کہ ہم نے کہا کہ ہمیں سسٹم کو بچانا ہے۔جمہوریت کی گاڑی کو آگے چلانا ہے، یہ سسٹم چلنا چاہیے،اب کسی طالع آزما کو نہیں آنے دیں گے، اس کا راستہ روکیں گے۔سارا میڈیا انگریزی کا لفظ بہت بولتا ہے "DERAIL"یعنی جمہوریت کی گاڑی کو پٹڑی سے نہیں اترنا چاہیے۔

لیکن اس جمہوریت کی گاڑی کو پٹڑی پر قائم رکھنے کے لئے ہم نے اللہ کے احکامات ہی نہیں انسانی اقدار کے بنیادی اصول ، انصاف کا مذاق اڑا دیا۔ہم نے کتنی بے خوفی سے کہا کہ ہم بعض شخصیات کو اس لئے عدالت کے کٹہرے میں نہیں لائیں گے، کہ اس طرح گاڑی پٹڑی سے اتر جائے گی۔ہم نے نسل ،رنگ ذات اور زبان کی سیاست کو سید الانبیاءﷺ کے اس فرمان پر ترجیح دی کہ کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں۔ہم نے اس کا تمسخر اڑایا۔ہم نے دیانت، امانت ،صداقت،شرافت سب سے آنکھیں پھیر لیں کہ ہم چاہتے تھے کہ سسٹم کو بچانا ہے۔جیسے تیسے بھی ہیں انہیں مقررہ مدت تک مسلط رہنا چاہیے۔

وہ انصاف جسے میرے اللہ نے بالاتر بنایا ہے ہم نے اُسے اس کی حدود سکھانے کی کوشش کی اور کہا دیکھو یہ سسٹم ہے، یہ جمہوریت ہے، اس لئے ہم اکثریت سے جب چاہیں اور جس طرح چاہیں انصاف کے کبوتر کے پر کاٹ سکتے ہیں۔ ہم کس قدر خوش وخرم تھے کہ ہم نے اپنا بنایا ہوا آئین اصلی حالت میں بحال کر دیا۔ لیکن میرے اللہ کو اس سے کیا غرض، وہ تو کہتا ہے کہ جو میرے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی ظالم ہیں، وہی کافر ہیں، وہی فاسق ہیں۔ لیکن ہمیں تو سسٹم بچانا ہے۔ انسانوں کا بنایا قانون اصل حالت میں بحال کرنا ہے۔

کیا عجب ملک ہے جس میں 62 سال سے بحث ہوتی رہی کہ چار اکائیوں کا ملک ہے۔ اسلام کے نام پر نہیں سندھی، بلوچ، پشتون، پنجابیوں نے ایک عمرانی معاہدے کے طور پر اسے بنایا۔ ملک کے خلاف ہر کوئی بات کرتا تھا لیکن صوبے کے بارے میں زبان کھولنے والے کی زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ یہ صوبے تقسیم نہیں ہو سکتے۔ کوئی کہتا کہ یہ ملک تو انگریز نے تقسیم کیا تھا۔ لیکن ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ صوبوں کی لکیریں بھی تو انگریز نے کھینچیں تھیں۔ کسی نے مرض کی بنیاد تلاش کرنے کی نہیں کی۔ جب تقسیم رنگ ونسل اور زبان پر ہوتی ہے تو وہ رُکتی نہیں۔ پنجابی علیحدہ ہو جائیں، با اختیار ہو جائیں تو جاٹ اور گجر کی لڑائی شروع ہوتی ہے۔ بلوچ علیحدہ ہو جائے تو براہوی بلوچ جنگ جا نکلتی ہے، اور پشتونوں کی جنگ تو آج نوشتۂ دیوار ہے۔

لیکن یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ یہ تو ہونا تھا اور ہوگا۔ لیکن میرا المیہ اور میری پریشانی اور ہے۔ مجھے تو وہ لوگ بار بار یاد آ رہے ہیں جو کہتے تھے کہ طوفان تمہاری جانب بڑھ رہا ہے۔ عذاب سے بچنے کے لئے استغفار کرو۔ سید الانبیاء ﷺ نے کہا تھا کہ میری امت کا عذاب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر اور ایک دوسرے کو قید کر کے عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ کیا ہم حالت عذاب میں نہیں؟ کون بچا ہے جو ایک دوسرے سے حالت جنگ میں نہ ہو۔ استاد شاگرد سے، ڈاکٹر صحافی سے، وکیل میڈیا سے، عوام حکمرانوں سے، حکمران عوام سے، فوج دہشت گرد سے دہشت گرد فوج سے، کوئی ہے جو بچا ہوا ہے۔ لیکن کسی کو خبر نہیں کہ یہ تو آغاز ہے، اس کے انجام سے پناہ مانگو کہ پھر نہ سسٹم بچے گا نہ رٹ اور نہ ان دونوں کے وکیل۔ لیکن شاید سب اپنے اپنے حال میں مست ہیں۔ سب اس تمسخر کی کیفیت سے پوچھتے ہیں "کب آئے گی وہ گھڑی" لیکن جانتے نہیں کہ گھڑی آ چکی ہے۔

محمد علی پاشا مصری (متوفی ۱۸۴۹ء) حکومت مصر کو ترقی دینے کے سلسلے میں ان کے دل میں یہ بات آئی کہ جب تک مصر کی بری و بحری فوج کو مغربی اسلوب پر تیار نہ کیا جائے گا اس وقت تک دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ جدید طرز کے جنگی جہازوں کی تیاری کے لئے اشتہار دیا گیا۔ فرانس اور دوسرے فرنگی ملکوں سے ماہرین فن آئے۔ لیکن انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لانا چاہا۔ پاشا نے اسے منظور کر لیا۔ لیکن جب ان کے بیوی بچوں کا قیام ہوا تو انہوں نے یہ بھی چاہا کہ ان کی بیماریوں کا علاج بھی فرنگی ڈاکٹر کریں۔ محمد علی نے یہ بھی منظور کر لیا۔ یورپ سے آکر ڈاکٹروں نے رفتہ رفتہ زچگی کے ہسپتال قائم کر لئے۔ ابھی ایک نسل بھی نہیں گزری تھی کہ فرنگی گھرانوں کے ساتھ ساتھ مسلمان گھرانوں کی وہ عورتیں جو گھر سے باہر قدم نکالنا گناہ سمجھتی تھیں، زچگی کے سلسلے میں بے تکلف فرنگی مرد ڈاکٹروں کے پاس جانے لگیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے شرم حیاء کا جو معیار صدیوں سے چلا آ رہا تھا مسلم گھرانوں سے رخصت ہو گیا۔ پروفیسر آرنلڈ ٹوئین بی (TOYN BEU) کا شمار برطانیہ کے ایک بہترین مورخ و ماہر علم معاشرت (شوشیالوجسٹ) بلکہ ایک مفکر کی حیثیت سے بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ واقعہ اپنی کتاب "دنیا اور مغرب" "THE WORLD & THE WEST" میں لکھا ہے۔ واقعہ غالباً ۱۸۰۸ء کا ہے، اسی سنہ میں پاشا موصوف نے فرانس سے جہاز سازی کے ماہروں کو طلب کیا تھا، بہرحال ایک ہی دو نسلوں کے اندر مصر کی کایا پلٹ گئی۔ قدامت، جدت میں بدل گئی۔ بات کہاں سے اور کس نیت و مقصد سے شروع ہوئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ پروفیسر "ٹوئین بی" نے خود ہی نتیجہ نکالا ہے۔

"ثقافتی لین دین کے کھیل میں ایک چیز اسی طرح دوسری چیز تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مغربی ہتھیاروں، قواعد اور رویوں کا استعمال لازمی طور پر نہ صرف مسلم خواتین کی آزادی تک پہنچا دے گا بلکہ عربی حروف کی جگہ بھی لاطینی حروف کو جاری کرا دے گا اور اسلام کی قوت کو تحلیل کر دے گا، جس کا تفوق مسلم ملکوں میں زندگی کے ہر شعبہ میں اب تک مسلم رہا ہے"۔ **ملت** پر جمود آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے طاری ہے، اس کا علاج ضرور کیجئے، اس کی اصلاح میں غفلت برتنا خود ایک جرم ہے، لیکن نتائج کا بھی بھرپور اندازہ لگا لینا چاہئے۔ سائنسی ترقی کی خاطر اپنا دامن غیر کی بدکاریوں سے نہ بھرا جائے۔

محمد بن قاسم اور باب الاسلام

کہتے ہیں کہ مسلمان تاجر پہلی صدی ہجری میں خلیج فارس اور بحیرۂ عرب کے راستے اپنا مال تجارت لیکر دور دراز علاقوں میں جانے لگے تھے۔ ان کے پیش نظر دو ہی مقاصد ہوتے تھے۔ تبلیغ اسلام اور اہل عیال کا پیٹ پالنے کے لئے تجارت۔ یہ تاجر تبلیغ دین کی خاطر کافی عرصہ تک دور دراز کے ممالک میں قیام کرتے اور بعض تو مستقل طور پر وہیں رہائش پذیر ہو جاتے۔

جزیرۂ سراندیپ میں مقیم بعض عرب تاجروں کا انتقال ہوگیا تو ان کے اہل عیال نے سراندیپ کے راجہ سے گزارش کی کہ انہیں عرب بھجوا دیا جائے۔ وہاں کا راجہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس لئے اس نے عرب تاجروں کے اہل وعیال کو ایک بحری جہاز کے ذریعہ واپس بھیجنے کا انتظام کیا، اور ولید بن عبدالملک کے دربار میں پیش کرنے کے لئے قیمتی تحائف بھی ان کے ہمراہ بھیجے۔ یہ جہاز جب سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب پہنچا تو راجہ داہر کے سپاہیوں نے اسے لوٹ لیا اور عورتوں کو اس ارادے سے قید کر دیا کہ کہیں یہ وطن جا کر دربار خلافت میں اس کی شکایت نہ کریں۔

ان عرب قیدیوں میں ایک مسلمان لڑکی کا دردبھرا خط کسی طرح بصرہ کے گورنر حجاج بن یوسف کو مل گیا۔ حجاج یہ خط پڑھ کر جوش وغضب سے کانپ اٹھا اور فوراً راجہ داہر کو خط لکھا کہ وہ فوراً جہاز لوٹنے والوں کو قرار واقعی سزا دے اور عرب کنبوں کو عزت وتوقیر کے ساتھ بصرہ روانہ کرے۔

راجہ داہر نے حجاج کا یہ مطالبہ رد کر دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ حرکت بحری ڈاکوؤں کی ہے، جن کو سزا دینا اس کے بس میں نہیں۔ یہ جواب ملتے ہی حجاج نے راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے دو ہزار مجاہدین کا ایک لشکر تیار کیا، جس کا سپہ سالار اپنے سترہ سالہ بھتیجے محمد بن قاسم کو بنایا۔ محمد بن قاسم اس سے قبل خراسان، خوارزم، اور ترکستان کے جہاد میں سپہ گری کے جوہر دکھا چکا تھا۔ اور اس کی اعلیٰ قابلیت سے متاثر ہو کر اسلامی فوج کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے اسے اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔

سندھ روانگی سے قبل محمد بن قاسم کو بصرہ کے گرد و نواح سے دو ہزار مجاہدین مل

گئے۔شیراز (ایران) پہنچ کر اس نے اپنے لشکر کو منظم کیا۔عہدیدار اور افسر متعین کئے۔ان انتظامات میں اسے چھ ماہ لگ گئے۔اس دوران اس نے سندھ کے اہم راستوں قلعوں اور دیگر ضروری حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل کرلی۔26 مارچ 711ء کو خشکی کے راستے محمد بن قاسم ایران سے مکران پہنچا۔یہاں اسے حجاج بن یوسف کی طرف سے پانچ منجنیقیں بھی مل گئیں۔جن میں عروس نامی منجنیق اتنی بڑی تھی کہ اسے پانچ سو آدمی چلاتے تھے۔فوجی حکمت عملی کے مطابق یہ منجنیق دیبل کی بجائے ایک غیر اہم بندرگاہ سومیانی پر اتاری گئیں۔

مکران میں چند ماہ قیام کرنے اور فوج کو نئے علاقائی حالات کے مطابق تربیت دینے کے بعد محمد بن قاسم نے دیبل کا رخ کیا۔درمیان میں لسبیلہ کا خطرناک اور دشوار گزار علاقہ تھا، جو بے شمار چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔محمد بن قاسم کی فوج لس بیلہ کی طرف بڑھی تو ہندی فوج نے جس کی تعداد پچیس ہزار کے قریب تھی، مزاحمت شروع کردی۔

ہندو سپہ سالار نے اپنی فوج کو تمام علاقے میں پھیلا رکھا تھا۔اس کے دستے پہاڑیوں سے اچانک نمودار ہو کر حملہ آور ہوتے اور پھر پہاڑیوں میں غائب ہوجاتے۔یہ دیکھ کر محمد بن قاسم نے یہ حکمت عملی وضع کی کہ اپنی فوج کے ہراول دستے کا رخ آگھور کی بندرگاہ کی طرف پھیر دیا۔اس سے ہندی فوج یہ سمجھی کہ اب عرب فوج ساحل کے ساتھ ساتھ لس بیلہ کی طرف بڑھے گی۔لیکن محمد بن قاسم نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔بڑے حصے کی سپہ سالاری محمد بن ہارون کو دی اور خود مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ رات کے وقت ایک جنگل میں چھپ گیا۔

ہندی سپہ سالار اس جنگی چال کو نہ سمجھ سکا، اس نے اپنی فوج کو کھلے میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا تاکہ وہ ساحل کی طرف سے آنے والی عرب فوج کو کھلے میدان میں پہنچنے سے قبل ہی شکست سے دوچار کرسکے۔یہ حکم ملتے ہی قلعہ بند فوج بھی باہر میدان میں نکل آئی۔محمد بن قاسم کا محمد بن ہارون کے ساتھ مسلسل رابطہ قائم تھا۔جونہی قلعہ ہندی فوج سے خالی ہوا، محمد بن قاسم اپنے جانباز دستہ کے ساتھ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گیا اور بلا کسی مزاحمت قلعہ پر قابض ہوگیا۔

ہندی سپہ سالار کو قلعہ فتح ہونے کی خبر ملی تو اس نے سر پیٹ لیا، فوراً فوج کو قلعہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا، لیکن اس اثنا میں محمد بن ہارون لشکر کے ساتھ ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ہندی فوج نے دلیری سے لڑنا شروع کیا کہ اچانک قلعہ سے محمد بن قاسم نے بھی حملہ کردیا۔یہ نیا حملہ اس قدر سخت تھا کہ ہندی سپہ سالار سخت زخمی ہوکر گر پڑا۔اس کا گرنا تھا کہ ہندی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ہندی فوج کی شکست کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے زخمیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندی فوج کے مجروحین کو بھی ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ ان زخمیوں میں ہندی فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ محمد بن قاسم نے سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا اور سب زخمیوں کے علاج معالجے کا حکم دیا۔ پھر ہندی سپاہیوں سے ان کا اسلحہ لے کر سب کو رہا کر دیا۔ رہا ہونے والوں میں ہندی فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ محمد بن قاسم کے اس حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر بے شمار ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

بیلہ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم دیبل کی طرف بڑھا۔ دیبل شہر کے گرد بہت چوڑی اور گہری فصیل تھی۔ جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ شہر کے وسط میں ایک مشہور مندر تھا، جس کا گنبد چالیس، پینتالیس فٹ بلند تھا۔ اس پر ہر وقت سرخ جھنڈا لہراتا رہتا تھا۔ عوام کا اعتقاد تھا کہ جب تک یہ جھنڈا بلند رہے گا، شہر کو کوئی فتح نہیں کر سکتا۔

محمد بن قاسم کے حکم سے اسلامی فوج نے چاروں طرف سے دیبل کا محاصرہ کر لیا، لیکن کئی ہفتے گزرنے پر بھی اہل دیبل نے باہر نکل کر مقابلہ نہ کیا۔ اس اثناء میں عربی منجنیق (عروس) بھی پہنچ گئی۔ محمد بن قاسم نے گولہ اندازوں کو حکم دیا کہ سب سے پہلے مندر کے گنبد پر نصب سرخ جھنڈے کو نشانہ بنایا جائے۔ اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی اور گولہ ٹھیک نشانے پر لگا اور سرخ جھنڈا زمین پر آن گرا۔ ہندوؤں نے اس کا نہایت برا شگون لیا اور قلعہ سے باہر نکل کر مرنے مارنے کا فیصلہ کر لیا۔

جونہی ہندی فوج تلواریں سونت کر باہر نکلی محمد بن قاسم نے اپنے سالاروں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ ہندو اسے اپنی فتح سمجھے اور عرب فوج کی طرف تیزی سے بڑھے۔ جب محمد بن قاسم نے دیکھا کہ یہ لوگ قلعہ سے کافی دور آ گئے ہیں، تو اس نے شہسواروں کے ایک دستے کے ساتھ عقب پر حملہ کر دیا۔ اس حملے سے کئی ہندی فوجی مارے گئے۔ یہ حال دیکھ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے اہل دیبل کے ساتھ رحمدلی، مروت اور رواداری کا سلوک کیا تمام ہندوؤں کو ایک جگہ جمع کر کے کہا:

"میں کوئی جابر فاتح نہیں ہوں، میں تو دکھیوں اور مظلوموں کا حامی ہوں اور انہیں ظالموں سے نجات دلانے کے لئے آیا ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، جو ایک ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق اچھا وہ ہے جو اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

اس کے بعد حبیب بن مسلمہ کو یہ فرمان لکھوایا:

دیبل کے سب باسیوں کو خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ان کی جانوں ،مالوں، کنبوں، عبادت گاہوں اور شہر کی فصیل کو امان دی جاتی ہے۔تم سب اس وقت تک امان میں رہو گے جب تک اپنے اس عہد پر قائم رہو گے۔جزیہ اور خراج ادا کرتے رہو گے"۔

دیبل راجہ داہر کی بہت مشہور شہر اور بندرگاہ تھی۔یہاں کے عوام اور خواص محمد بن قاسم کا یہ اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ چلن اور رواداری دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ان کے ذہنوں میں تو یہ تھا کہ یہ لوگ بھی دوسرے فاتحین کی طرح شہر میں قتل عام کریں گے۔مال لوٹیں گے اور عورتوں کو بے آبرو کریں گے۔لیکن یہ حسن سلوک دیکھ کر انہوں نے محمد بن قاسم کے قدموں میں اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

دیبل میں محمد بن قاسم نے ایک خوبصورت مسجد بنوائی اور تقریباً چار ہزار عربوں کو یہاں آباد کیا، جن میں وہ مسلمان بھی تھے جن کو راجہ داہر نے لوٹنے کے بعد دیبل میں قید کر رکھا تھا۔عربی فوج کے اس حسن سلوک اور بہادری کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔راجہ داہر کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بہت چراغ پا ہوا، اس نے محمد بن قاسم کو خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا:

مجھے تمہاری جوانی پر ترس آتا ہے۔تم نے ابھی میری فوج کے سورما جرنیلوں کو نہیں دیکھا، جب وہ اپنے لشکر اور جنگی سفید ہاتھیوں کے ساتھ میدان میں نکلتے ہیں تو کوئی ان کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتا۔تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ، تاکہ ہمارے غضب سے بچ سکو"

جو قاصد یہ خط لایا تھا محمد بن قاسم نے اسی کے ذریعہ اپنا یہ پیغام بھجوایا: "آگاہ رہو میں تمہارے سوماؤں سے طاقت آزمائی کے لئے جلد آ رہا ہوں"۔

دیبل میں ضروری انتظامات سے فارغ ہوتے ہی محمد بن قاسم نے اپنی فوج کو نیرون کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، جو بلا مزاحمت اس کے ہاتھ آ گیا، اور وہاں کے رہنے والوں نے اطاعت قبول کرلی۔پھر محمد بن قاسم نے سہوان کا رخ کیا، راستے میں شہر "لہرج" کے باشندوں نے بھی بخوشی اطاعت قبول کرلی۔

سہوان کا حاکم راجہ بجرا محمد بن قاسم کی آمد کی خبر سنتے ہی فرار ہوگیا۔چنانچہ محمد بن قاسم چینہ، نیر کوٹ، اور خضدار کے راستے سیسی کی طرف بڑھا۔راجہ بجرا سیسی میں قلعہ بند ہوگیا۔محمد بن قاسم نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔کئی روز کے بعد بجرا مجبوراً لڑنے کے لیے باہر نکلا، لیکن جب اس کی فوج چاروں طرف

سے عرب سپاہیوں میں گھر گئی ،تو وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گیا۔اب محمد بن قاسم سالوج اور قندابیل کی طرف بڑھا۔یہاں بھی لوگوں نے بخوشی اطاعت قبول کرلی۔یہاں سے محمد بن قاسم نیرن واپس آیا اور دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جیر کے مقام تک پہنچا۔یہاں راجہ داہر کی فوج مشرق کنارے پر خیمہ زن تھی۔

یہاں محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو پار کرنے کے لیے ایک عجیب وغریب منصوبے پر عمل کیا۔اس نے دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ بیسیوں کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح باندھ دیا جو سب کو ملا کر دریا کی چوڑائی کے برابر ہوتی تھیں۔ہر کشتی میں محمد بن قاسم نے پانچ پانچ بہترین تیر انداز بٹھا دیئے۔پھر ان کشتیوں کو دریا کے دھارے پر بڑھا دیا۔کشتی پر بیٹھے ہوئے تیر اندازوں نے اس طرح تیروں کی بارش کی کہ راجہ داہر کی فوج ساحل سے بہت پیچھے ہٹ گئی۔

ان کے پیچھے ہٹتے ہی محمد بن قاسم نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنی فوج اور منجنیقیں ساحل پر اتار دیں۔اور اس شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ ہندو فوج پسپا ہوتی چلی گئی۔ہاتھیوں کو پریشان کرنے کے لیے محمد بن قاسم نے یہ تکنیک استعمال کی کہ ان پر جلتے ہوئے تیروں کی بارش کی۔ایک جلتا ہوا تیر راجہ داہر کے ہاتھی کی سونڈ پر ریشمی غلاف میں پھنس گیا۔جس سے غلاف میں آگ لگ گئی اور ہاتھی گھبرا کر بھاگا۔ہندی فوج نے سمجھا کہ راجہ داہر میدان جنگ سے فرار ہو رہا ہے۔

راجہ داہر نے فیل بان کو ہدایت کی کہ ہاتھی کو ندی کی طرف لے جائے۔ندی پر پہنچ کر ہاتھی پانی میں لیٹ گیا۔راجہ داہر فوراً ہاتھی سے اُترا،لیکن ایک عربی شہسوار اس کے تعاقب میں تھا۔اس نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ راجہ داہر کا سر تن سے جدا ہو گیا۔داہر کے مرتے ہی سندھی فوج کو شکست ہوگئی،اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

راجہ داہر کی موت سے سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔محمد بن قاسم نے سندھ کو ''باب الاسلام'' قرار دیا۔یہ 20 جون 712ء مطابق 10 رمضان 93ھ تھا۔فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان تک کا علاقہ نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔

دوا دارو...... دیسی جڑی بوٹیاں

گھیکوار

پہچان! گھیکوار جس کو کنوار گندل اور کنوار پاٹھا بھی کہتے ہیں، ایک مشہور بوٹی ہے۔اس کی پتے گائے کی دم کی شکل کے ہوتے ہیں۔اور دو فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔پتوں کے دونوں کناروں پر کانٹے ہوتے ہیں۔اور یہ پتے جڑ ہی سے نکل کر ادھر اُدھر پھیل جاتے ہیں۔ان کے بیچوں بیچ سے ایک شاخ نکلتی ہے جس پر سرخ رنگ کے خوبصورت پھول لگتے ہیں۔پتوں کے کاٹنے سے ہلکے پیلے رنگ کا لیس دار مادہ نکلتا ہے۔یہ مادہ کڑوا ہوتا ہے، اور اسی کو گھیکوار کا لعاب کہتے ہیں۔

فائدے! (۱)......گھیکوار کے پتوں کا لعاب دار گودا بہت سی دواؤں میں کام آتا ہے۔یہ بدن معدہ اور جگر کو طاقت دیتا ہے، خون کو صاف کرتا ہے، قبض کو توڑتا ہے، خاص طور پر دمہ، رانی کھانسی، گٹھیا، اور کمر کے درد کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔اور بیماریوں میں لوگ اس کا حلوہ اور معجون بنا کر کھاتے ہیں۔

(۲)......سوجن کو دور کرنے اور خاص طور پر گلرالی کو گھٹانے میں بہت مفید ہے۔اس کے پتے ایک ٹکڑا لے کر اسے ایک طرف سے چھلیں اور اس پر تھوڑی سی ہلدی چھڑک کر گرم کر کے باندھیں۔دو چار دفعہ ایسا کرنے سے سوجن دور ہو جائے گی۔

(۳)......آنکھ آئی ہو تو گھیکوار کا گودا ایک تولہ، سفید زیرہ ۳ ماشہ اور پھٹکری ۱ ماشہ کی پوٹلی باندھ کر اسے بار بار آنکھ پر پھیرنے اور اسی کی دو ایک بوندیں آنکھ میں ٹپکانے سے آنکھ کی سوجن اور سرخی دور ہو جاتی ہے۔

گیندا

پہچان! گیندا مشہور پھول ہے۔اس کا پودا ایک گز تک اونچا ہوتا ہے، اور پتے بھنگ کے

پتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کے پھول پیلے پیلے اور کٹورے کی شکل کے ہوتے ہیں جن کی بہت سی پنکھڑیاں ہوتی ہیں۔

فائدے! (۱)..... گیندا پیشاب خوب لاتا ہے۔ اور پیشاب زیادہ لانے کی وجہ سے گردے اور مثانے کی پتھری کو بھی نکال دیتا ہے۔ اس غرض کے لئے اس کے پتوں کو پانی میں چھان کر پلاتے ہیں۔

(۲)..... بواسیر کے خون کو روکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے گیندے کے پتے (ایک تولہ) اور کالی مرچ (سات دانہ) کو پانی میں پیس کر چھان کر پلاتے ہیں۔

(۳)..... گیندا بھڑ کاٹے کے زہر کا بہترین توڑ ہے۔ اگر بھڑ کاٹ کھائے تو گیندے کے پتوں کو پانی میں پیس چھان کر پلائیں اور انہی کو پیس کر کاٹی ہوئی جگہ پر لگائیں، درد اور جلن فوراً جاتی رہتی ہے۔

(۴)..... گیندا سوجن کو دور کرتا ہے اور زخموں کو سکھاتا ہے۔ کبھی کبھی عورتوں کی چھاتیاں سوج جاتی ہیں اور اس وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سوجن کا ابتدائی زمانہ ہو تو گیندے کے پتے پیس کر اس کا لیپ کریں۔ لیکن اگر وہ پکنے کے قریب ہوں تو گیندے کے پتوں کی بھجیا بنا کر باندھیں۔ ورم پک کر پھوٹ جائے گا اور زخم انہی پتوں کی پلٹس باندھنے سے سوکھ جائے گا۔

(۵)..... کان میں درد ہو تو گیندے کے پتوں کا پانی نکال کر شیر گرم کان میں ٹپکانے سے درد کو سکون ہو جاتا ہے۔ دانتوں کا درد بھی پتوں کو پانی میں اُبال کر اس کی کلیاں کرنے سے جاتا رہتا ہے۔

تبصرۂ کتب

نور القمر بسیرۃ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

مؤلف:۔ حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مدظلہ

ناشر:۔ ادارہ اشاعت اسلام، مانچسٹر، برطانیہ

حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مدظلہ کی ذات اہل علم میں اب تعارف کی محتاج نہیں رہی، انہوں نے مختلف موضوعات پر تحقیقی قلم اٹھایا اور اہل علم وفضل سے داد وصول کی۔ انکے مضامین پہلے پہل تو مختلف رسائل میں شائع ہوتے تھے، پھر چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں عام ہوئے۔ اب ماشاء اللہ ان کے قلم کے جوہر تحقیقی کتابوں کی شکل میں کھل رہے ہیں۔ حال ہی میں ان کے کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ جن میں خلیفۂ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سوانح سرفہرست ہے۔ اب ان کے ایک اور کتاب خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کی سوانح ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ کتاب بروقت آئی ہے۔ آجکل اس کتاب کی بہت ضرورت تھی، اس لئے کہ عالم اسلام آج جن حالات سے گھرا ہوا ہے اس میں حضرت عمرؓ جیسے بالغ نظر مسلمان لیڈر کی ضرورت ہے۔ غیر نے تو حضرت عمرؓ کی فراست وسیاست سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرکزیت کو مربوط ومضبوط کرلیا اور ہم مسلمان کہلا کر اسی حضرت عمرؓ میں کیڑے نکالنے پر لگے ہوئے ہیں۔ سیاسیات کو چھوڑ کر ہم مذہب کے نام پر حضرت عمرؓ کو متنازع شخصیت بنا کر پیش کررہے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی جن سنتوں کو عمرؓ نے اپنی فراست کے ساتھ نافذ کیا انہی کو ہم ناقابل عمل بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے ایسے اقدامات جن پر امت میں اجتماعیت پیدا ہوتی ہے ہمارے کچھ لوگ ان کو متنازع بنا کر پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب مدظلہ نے اپنی اس کتاب میں ان تمام امور کا جائزہ لیا ہے اور اپنے تجربے اور دلائل کے ساتھ ان تمام اعتراضات کا رد کیا ہے، اور تحقیقی طور پر اس کتاب کو ایسا بنا دیا ہے کہ اب اس موضوع میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔ یہ کتاب نہ صرف ہر عالم دین کے مطالعہ میں ہونی چاہئے بلکہ ہر لائبریری میں اس کو موجود ہونا ضروری ہے تاکہ لائبریری میں آنے والا ہر شخص اس سے استفادہ کرسکے۔

خودکشی حرام ہے

بقلم: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی

زندگی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے اور اس نعمت کی قدردانی یہ ہے، انسان اپنی زندگی، زندگی عطا کرنے والے کے احکام کے مطابق گزار کر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیش کی سعادت مندی و نیک بختی کا مستحق بنائے۔

انسانی زندگی میں حوادث وانقلابات کا آنا، اس کی زندگی کا لازمہ ہے، کیوں کہ انسانی حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، بلکہ وہ انقلاب پذیر ہوا کرتے ہیں، اسی لئے وہ متضاد قسم کے احوال سے دوچار ہوا کرتا ہے، کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی ہنسنا تو کبھی رونا، کبھی نفع تو کبھی نقصان، کبھی ترقی تو کبھی تنزلی، کبھی سفر تو کبھی حضر، کبھی سونا تو کبھی جاگنا، کبھی کامیابی تو کبھی ناکامی، غرض یہ کہ انسانی زندگی میں مثبت ومنفی (Negative&positive) حالات وواقعات کا تسلسل جاری رہتا ہے، جو اس کے خالق ومالک کی مشیت وچاہت اور اس کے قضاء وقدر کا حصہ ہے، کیوں کہ ہمارا عقیدہ ہے: قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا، ہو مولنا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۔ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آسکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، وہ ہمارا مالک ہے، اور اللہ ہی کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیے۔ (سورۃ التوبۃ:۵۱)

اسی کو علامہ طحاوی نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا: وکل شیئ یجری بقدرتہ، ومشیتہ تنفذ لا مشیۃ للعباد. کہ پوری کائنات کے احوال وکوائف کی تبدیلیوں میں اسی کی قدرت ومشیت کارفرما ہے۔ (عقیدۃ الطحاوی:۴۵)

انسان کبھی کبھی سخت حالات ومصائب میں گھر جاتا ہے، اور ان حالات سے تنگ آکر بجائے اس کی کہ وہ ان حالات کے پیدا کرنے والے کی طرف نماز، دعا اور استغفار کے ذریعہ رجوع کریں، خودکشی کا فیصلہ کرلیتا ہے، اور یوں سمجھتا ہے کہ جب زندگی ہی ختم ہی

ہوجائے گی تو یہ مصائب وحالات بھی باقی نہیں رہیں گے، جبکہ اس کا یہ فیصلہ خدائی فرمان: ولا تقتلوا أنفسکم إن اللہ کان بکم رحیماً۔ (نہ خون کرو آپس میں بے شک اللہ تم پر مہربان ہے)۔ (سورۂ نساء:۲۹)

اور اس کے قضاء وقدر سے بغاوت کے مترادف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ہمیشہ کی تکلیفوں میں جھونکنا ہے، جیسا کہ حضرت جندبؓ کی روایت سے مفہوم ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کو کوئی زخم تھا، اس نے اس کی تاب نہ لاکر خودکشی کرلی، تو اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے بندے نے مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش کی، اور میرے اس کی روح نکال لینے تک صبر سے کام نہیں لیا، اس کے اس عمل کی وجہ سے میں نے اس پر جنت کو حرام کردیا۔ (بخاری شریف:۱/۱۸۲)

گزشتہ دنوں دسویں وبارہویں جماعت کے کئی طلبہ وطالبات نے محض امتحان میں ناکامی کے اندیشہ سے خودکشی کرلی، جبکہ ہونا یہ چاہیئے تھا، کہ وہ تعلیمی سال کے آغاز سے ہی پابندی کے ساتھ اسکول وکالج جاتے، اسباق سمجھتے، ہوم ورک (Homework) کرتے، اور سالہائے گذشتہ کے سوالی پرچوں کو حل کرتے، تو یہ نوبت ہی نہیں آتی، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اور محض ناکامی کے اندیشہ سے خودکشی کرلی، جبکہ انہیں اس طرح کا اقدام نہیں کرنا چاہیئے تھا، کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ انسان کے تمام اندیشے غلط ثابت ہوجاتے ہیں، جیسا کہ فقہ کا قاعدہ ہے: أکثر ما یخاف لایکون۔ کہ اکثر وبیشتر انسان جس چیز کا اندیشہ کرتا ہے، وہ وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ (قواعد الفقہ: ۶۲، قاعدہ نمبر: ۴۷)

میں سمجھتا ہوں کہ طلباء کے خودکشی کے واقعات میں جہاں محکمۂ تعلیم ذمہ دار ہے، کہ اس نے اپنے نصاب میں اخلاقیات، اور قضاء وقدر سے متعلق مضامین کو داخل نہیں کیا، یا طلباء کی حاضری اور تعلیم سے ان کی دلچسپی پر توجہ نہیں دی، وہیں والدین بھی اس ذمہ داری میں برابر کے شریک ہیں، کہ انہوں نے اس جانب ذرا بھی خیال نہیں کیا، کہ ان کے بچے برابر اسکول وکالج جارہے ہیں یا نہیں، جو اسباق ومضامین ان کو پڑھائے جارہے ہیں وہ انہیں سمجھ بھی پارہے ہیں یا نہیں، اور ہوم ورک (Homework) وغیرہ میں ان کی حالت کیا ہے۔

محکمۂ تعلیم کو ہمارا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ جہاں اپنے نصاب میں جدید علوم وفنون کو داخل کررہے ہیں، وہیں وہ اخلاقیات اور قضاء وقدر سے متعلق مضامین کو بھی داخلِ نصاب کریں، کیوں کہ اس طرح کے مضامین کو پڑھنے سے انسان میں حوادث وواقعاتِ غیر مرضیہ کے اثرات کے دفاع کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور وہ بڑی حد تک ان اثرات کا متحمل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح طلباء وطالبات کے والدین وسرپرستوں کو بھی یہ مشورہ ہے کہ وہ ان کی تعلیمی وتربیتی بھرپور نگرانی رکھیں، اور عقائد اسلام اور اس کی تعلیمات سے ان کو روشناس کرائیں، اور ان کے قلب ودماغ میں اس بات کو اچھی طرح سے بٹھادیں، کہ خودکشی شرعاً حرام ہے، اور حقیقۃً وہی انسان کامیاب ہے جو حوادث وواقعات میں صبر سے کام لے کر اپنی منزل مقصود کی طرف اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

جن طلباء وطالبات نے دسویں یا بارہویں جماعت کے امتحانات دیئے، اور اب بہت جلد ان کے نتائج بھی سامنے آنے والے ہیں، ان کیلئے یہ نصیحت ہے کہ نتائج کے اچھے آنے پر وہ خدا کا شکر بجالائیں، اور اپنی تعلیمی صلاحیتوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پہونچانے کیلئے نئے عزم وحوصلے کے ساتھ آگے کا تعلیمی سفر جاری رکھیں، کیوں کہ وہی ہماری قوم کا مستقبل ہیں ، اور جو طلباء وطالبات ناکام ہوں، وہ مایوس نہ ہوں، بلکہ اپنے طرزِ زندگی پر نظر ثانی کرلیں، اور کن وجوہات کی بناء پر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، ان کا جائزہ لیں، اور ان کے تدارک وتلافی کیلئے ازسرِ نو پوری طرح سے اپنی محنت صرف کریں، امید ہے کہ وہ بھی ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے، کیوں کہ انسان جب اپنے نقصان وخسارے کی وجوہات معلوم کرلیتا ہے، اور دوبارہ یہ وجوہات صادر نہ ہوں، اس کی پوری کوشش کرتا ہے، تو یقیناً کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، اور یہی خدائی ضابطہ بھی ہے، إن الله لايضيع أجر المحسنين . بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔

چند تاریخی حقائق

تاریخ انسانی میں جس قوم نے ترقی کی منازل طے کی ہیں اور دنیا میں اپنا سکہ جمایا ہے، ان قوموں کی بہت سی عادات واطوار کی دیکھا جائے تو کچھ خوبیاں ایسی ہیں کہ جو ان تمام اقوام میں بلا اختلاف رنگ ونسل ومذاہب مشترک نظر آتی ہیں۔

ہم اسے تاریخ کا اتفاق کہہ لیں، یا پہلی اقوام کے انجام سے عبرت کہہ لیں یا اسے کوئی اور نام دیں، مگر ایک بات تو طے ہے کہ نسل انسانی میں سے جس نے ترقی کے راستے چنا اور اس میں کامیاب بھی ہوا، اس راستے کی قدریں مشترک رہیں، صعوبتیں بھی مشترک حتی کہ انجام بھی مشترک ہی رہا۔

ہم اس بات کو سمجھنے کے لئے تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے ایسے مشترک عناصر کے بارے میں اگر غور وفکر کریں تو ہمیں یہ بات سمجھنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، خصوصاً آج کل کے مخصوص حالات کے تناظر میں یہ بات اور بھی زیادہ ہمارے لئے تقویت کا باعث ہے کہ ہمیں بحث و کوشش کے لئے جدید ذرائع حاصل ہیں، چند نکات پیش خدمت ہیں۔

اخلاص۔ یہ ایسا مشترک اصول ہے کہ جس معاشرے اور قوم میں یہ ہر عام وخاص کو یہ حاصل ہو جائے تو اس کی کامیابی کی پہلی اینٹ ثابت ہوتا ہے، اور جتنی اس میں پختگی ہوگی اس کا انجام بھی ویسا ہی دیرپا اور مضبوط ہوگا۔ اسی کو ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انما الاعمال بالنیات'' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ جیسی نیت خالص ہو ویسا بدلہ بھی خالص ہوگا۔

اپنے مقصد کے ساتھ گہری وابستگی۔

اخلاص وصدق نیت کے بعد دوسری بڑی بات وہ مقصد کے ساتھ گہری وابستگی ہے، جب تک مقصد کے ساتھ اپنے آپ کو مکمل وابستہ نہیں کرلیا جاتا اس وقت تک کامیابی ناممکنات میں سے ہے، اور تاریخ میں اس کی مثالیں عام ہیں کہ جس کسی نے اپنے آپ کو مقصد کے ساتھ گہرا اور مکمل وابستہ کرلیا وہ یا اس نے کامیابی ضرور حاصل کی۔

راستے کا صحیح انتخاب۔ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح راستے کا انتخاب بھی اقوام کی کامیابی کا ضامن ہے، مقصد جتنا بھی اونچا ہو، کامیابی جتنی بھی نزدیک ہو لیکن راستے کے انتخاب میں اگر کوتاہی رہ گئی تو مقصد سے کوسوں دور ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ہمیں صراط مستقیم مانگنے کی تلقین کی گئی۔

مسلسل محنت یا دوام۔ مسلسل محنت کرنا اتنا ہی ضروری جتنا پہلی تین چیزیں۔ یعنی راستے کے صحیح انتخاب کے باوجود، اگر اس راستے پر نہ چلا جائے، یا سستی اختیار کی جائے تو مقصد کبھی حاصل نہیں ہوگا

اگر انہی نکات کو سامنے رکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر اگر غور کیا جائے تو ان کی کامیابی کی وجوہات اور قلیل عرصہ میں ملک در ملک کی فتوحات سمجھ آتی ہیں۔

تراشے

(مرسلہ از۔رحمت الباری)

(۱) میں مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا ان تین گمشدہ صدیوں کا ماتم کر رہا تھا مسجد کے مینار نے جھک کر میرے کان میں راز کی بات کہہ دی۔جب مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہو جائیں جہاد کی جگہ جمود اور حق کی جگہ حکایت کو مل جائے۔ملک کی بجائے مفاد اور ملت کے بجائے مصلحت عزیز ہو اور جب مسلمان کو موت سے خوف آئے اور زندگی سے محبت ہو جائے تو صدیاں یوں ہی گم ہو جاتی ہیں۔

(۲) قدرت کا سارا نظام اصولوں کے تابع ہے بڑے آدمیوں کی پیدائش کے بھی تو کچھ اصول ہونگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے آدمی انعام کے طور پر دیئے اور سزا کے طور پر روک لئے جاتے ہیں۔(۳) جرنیل کے ہاتھ ہی نہیں اس کی نظر بھی پاک ہونی چاہئے۔

(۴) یہ عادت بے حد مضر ہے کہ ہر بڑے آدمی کی خودنوشت سوانح کو پڑھا جائے رزق ہی نہیں کتابیں بھی ایسی ہوتی ہیں جن کے پڑھنے سے پرواز میں کوتاہی آجاتی ہے۔

(۵) زندگی کو ایک گروہ نے ممکن بنایا دوسرے نے توانا اور تیسرے نے تابندہ۔جہاں یہ تینوں گروہ موجود ہوں وہاں زندگی موت کی دسترس سے محفوظ ہو جاتی ہے جس ملک یا عہد کو یہ گروہ میسر نہ آئیں اسے موت سے پہلے بھی کئی بار مرنا پڑتا ہے جس سرحد کو اہل شہادت میسر نہ آئیں وہ مٹ جاتی ہیں جس آبادی میں اہل احسان نہ ہوں اسے خانہ جنگی اور خانہ بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس تمدن کو اہل جمال کی خدمات حاصل نہ ہوں وہ خوشنما اور دیرپا نہیں ہوتا۔

(۶) سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

(۷) جن ہاتھوں نے دنیا بھر سے خراج وصول کیا ان کے حوالے سے یہ لوگ خیرات مانگتے ہیں کیونکہ افراد اور اقوام واقعات سے ہمیشہ اپنے مزاج کے مطابق سبق حاصل کرتے ہیں۔

(۸) اہل اقتدار اور اہل اختیار کی زندگی میں ایک دروازے سے اقتدار و اختیار داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے اعتدال اور توازن رخصت ہو جاتے ہیں جس نقار خانے میں نعروں تالیوں اور آمنا وصدقنا کا شور ہو وہاں اعتدال کی حیثیت طوطی سے بھی کمتر ہوتی ہے۔

(۹) یہ حقیقت فراموش ہو گئی کہ جس نے مخلوق سے فاصلہ پیدا کر لیا وہ خالق سے کیونکر نزدیک ہو سکتا ہے۔

(۱۰) عطا کا پہلا حق یہ ہے کہ انسان اس کا شکر ادا کرے دل شکر سے لبریز ہو تو روشن ہو جاتا

ہے۔شکوہ کیجئے تو بجھ جاتا ہے۔ناشکر گزار ہو تو پتھر بن جاتا ہے۔شکر گزار ہمیشہ روشن ضمیر اور روشن دماغ ہوتا ہے ناشکر گزار بے ضمیر اور بد دماغ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) لارڈ لٹن وائسرائے ہند نے کہا ''فہم و فراست کی مستقل اجارہ داری قوت نے کسی ایک نسل کو نہیں دے رکھی اور نہ اسلام کوئی ایسی بات ہے جو فہم انسانی اور تہذیب عالمی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔ (ماخوذ: آواز دوست)

(۱۲) ناشکر گزاری کا نتیجہ بے ہنری کی صورت میں سامنے آتا ہے اور جہاں ناشکر گزار اور بے ہنر جمع ہو جائیں وہاں منافقت کا دور دورہ رہتا ہے جب اشراف کی حاجت ہی نہ رہے تو کوئی ان کی تلاش اور دلجوئی کیوں کرے ہنر مند کی قدر ناشناسی سے بے ہنری کو فروغ ملتا ہے کمتر کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے تو اشراف کی عزت میں کمی ہو جاتی ہے منافقت کے لئے یہ فضا بڑی سازگار ہوتی ہے منافق کے دل میں کچھ ہوتا ہے زبان پر کچھ اور وہ دو قدم زبان کے ساتھ اٹھاتا ہے اور چار قدم دل ہی دل میں پیچھے چلا جاتا ہے جس قافلے میں ایسے مسافر شامل ہوں اسے نہ کبھی سمت ملی ہے اور نہ منزل جہاں سے اسے آگے روانہ ہونا چاہے وہاں سے وہ پسپائی اور رسوائی کی رو پر نکل جاتا ہے ایسے کارواں میں عبرت وہ پکڑتے ہیں جو شکر کرنا جانتے ہوں ذوق ان میں ہوتا ہے جو شرف و ہنر رکھتے ہوں تمنا ان کی جوان ہوتی ہے جو منافقت سے نا آشنا ہوں اگر دل تشکر کی طرف نہیں آتا دماغ ہنر کی طرف نہیں جاتا اور زبان حق کی طرف مائل نہیں ہوتی تو انسان انسان نہیں رہتا بلکہ دشت و صحرا میں بدل جاتا ہے جب چاروں طرف بے کراں دشت آدم زاد کی شکل میں پھیلے ہوں تو ایسی صورت حال کو قحط الرجال کہتے ہیں۔ (ماخوذ: قحط الرجال)

(۱۳) جو قومیں اور تہذیبیں سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں وہ کم زور یا کم ترقی یافتہ اقوام کے لئے بڑی کشش اور دلکشی کا سامان رکھتی ہیں اور وہ ان اقوام پر عقلی اور معاشرتی میدانوں میں بڑا گہرا اثر ڈالتی ہیں حالانکہ وہ خود معاشی طور پر ان پسماندہ اقوام سے متاثر نہیں ہوتیں یہی صورت آج مغربی دنیا اور اسلامی دنیا کے تعلقات میں نمایاں ہے۔ (ماخوذ: اسلام اور مغرب)

(۱۴) اسلام نہ کوئی سربستہ عقیدہ ہے نہ فلسفہ یہ صرف زندگی کا ایک نظام ہے جو فطرت کے ان قوانین کے مطابق ہے جن کا حکم خالق کائنات نے اپنی مخلوق کو دیا ہے اس کا سب سے بڑا کارنامہ حیات انسانی کے روحانی اور مادی پہلوؤں کی مکمل ہم آہنگی ہے۔ (ماخوذ: اسلام اور مغرب)

تین میں سے ایک جو ساتھ ہو

خادمۃ القرآن

چمکدار شیشے کے دروازے پر جڑے ہوئے سچے موتی عجب بہار دکھا رہے تھے۔ فاطمہ حیران تھی کہ یہ کہاں پہنچ گئی ہے؟ اتنا حسین دروازہ پہلے اس نے کب دیکھا تھا دروازے کے اطراف میں دو سپاہی کھڑے تھے جن کے جسم پر حسین پر لگے ہوئے تھے۔ فاطمہ ان سے مخاطب ہوئی کیا میں اندر جا سکتی ہوں انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ فاطمہ اندر چلی گئی دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے آپ کو ایک باغ میں کھڑی پایا۔

کونے میں ایک حسین جھیل بنی ہوئی تھی جس کے کنارے پر خوبصورتی سے تراشے ہوئے ہیرے لگائے گئے تھے۔ اس میں موجود نیلا نیلا پانی ٹھہرا ہوا بالکل آسمان کی طرح لگتا تھا۔ جا بجا ہری بھری گھاس میں ننھے پودے اپنا سر اٹھائے کھڑے تھے۔ جن کی شاخوں پر قسم قسم کے پھول مہک رہے تھے۔ دوسری طرف اونچے اونچے پھلوں کے درخت لگے ہوئے تھے جن میں پھلوں کی کئی قسمیں موجود تھیں درختوں کے سائے میں سونے کی کرسیاں لگی ہوئی تھیں ان مین موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ قریب ہی دودھ کی نہر بہہ رہی تھی اس کے پاس بڑے بڑے شیشے کے جام رکھے ہوئے تھے فاطمہ کا جی چاہا کہ اتمیں سے دودھ پی لے۔ مگر وہ فوراً ہی رک گئیں کیونکہ ان محافظوں سے ہرگز بھی کسی چیز کے استعمال کرنے کی اجازت نہ لے کر آئی تھی۔ فاطمہ نے دوسری طرف نظر اٹھائی تو سامنے ایک کمرہ نظر آیا۔ جس کے دروازے پر لمبی لمبی سچے موتیوں کی لڑیاں اٹکی ہوئی تھیں۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سفید پردہ ڈال دیا ہو جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ کمرے کے چاروں طرف شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اور فرش پر بڑا سا دیدہ زیب قالین بچھا ہوا ہے۔

کمرے کے چاروں طرف بہت ہی پیاری پیاری پاکیزہ خاتون کھڑی تھیں جنہوں نے بڑے بڑے سفید لباس پہنے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گجرے اور سر پر سچے موتیوں کے تاج رکھے ہوئے تھے ان کے ہاتھوں میں سرخ بڑے بڑے گلابوں کے گلدستے تھے۔ جن کی تازگی اور مہک سے پورا کمرہ معطر ہو رہا تھا۔ اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شبنم نے گلاب

کے کٹورے بھر دیئے ہوں انہوں نے فاطمہ کو گلابوں کے گلدستے پیش کیے۔ اتنے حسین پھول فاطمہ نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ اب اسے ایک اور دروازہ نظر آیا اس میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بہت وسیع کمرے میں بڑے بڑے اسٹینڈ پر زرق برق لباس سجے ہوئے ہیں دوسری طرف بہت خوبصورت طرح طرح کے جوتے رکھے ہوئے ہیں۔ اگلے کمرے میں بڑا سا دسترخوان لگا ہوا تھا جس پر ہر قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے فاطمہ کو بہت سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ مگر یہ نہ جانتی تھی کہ یہ کس کی چیزیں ہیں۔ اچانک اس کو ایک آواز ہوئی ''تم پر سلامتی ہو'' میں تمہارا رب ہوں اور یہ سب نعمتیں تمہارے ہی لئے ہیں یہ چھوٹی سی جنت یہ پیارا سا موتی محل تمہارا ہی ہے تم نے ساری زندگی بہت اچھے کام کیے مجھے خوش کرنے کے لئے نماز پڑھی میرے لئے ہی روزہ رکھا کسی کو دکھ نہ دیا غیبت نہ کی دوسروں کو طعنے نہ دیئے کسی کا مذاق نہ اڑایا ہمیشہ وہی چیز لی جو تمہارے امی ابو نے دی یا تجھے ملی کبھی کہیں سے کوئی چیز نہ اٹھائی۔ صدقہ دیا اور دوسروں کا خیال رکھا۔

آج میں بھی تم پر خرچ کرونگا اور تمہارا خیال رکھوں گا۔ اور آج کے دن تمہاری خبر گیری کرونگا۔ جبکہ کوئی کسی کا سہارا نہیں بن سکا میں تمہارا سہارا ہوں گا۔ دنیا میں تم میری خوشی کے لئے میری محبت کی وجہ سے دوسروں سے ملتے تھے دوستیاں کیا کرتے تھے آج میں تمہارا دوست بنوں گا اب یہ جنت تمہارے لئے ہیں فاطمہ کے لئے تو یہ بات ہی بہت زیادہ خوش کر دینے والی تھی کہ اس حسین محل کی ہر چیز استعمال کر سکتی ہوں جب اسے پتہ چلا کہ یہ سب چیزیں اس کی ہیں تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ رہا۔

ان خوشی اور مسرت کے لمحات میں اسے اپنی کزن سہیلی جو کہ بے حد ماڈرن اور بگڑی ہوئی تھی وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتیں نہ مانتی دوسروں کو ستانا ان کو دکھ دینا اور امی ابو جو پیسے دیتے وہ سارے کے سارے، ناول، ڈائجسٹ، ویڈیو کیسٹیں اپنی پسندیدہ چیزوں پر خرچ کر دیتی اور نماز نہ پڑھنا اور اپنا وقت دوسروں کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے گزارنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ سب سمجھاتے مگر اس نے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر رکھا تھا۔ جھوٹ بولنا اور امی ابو کی باتوں کو نہ سننا نہ سمجھنا۔

اس سہیلی کو ایک دروازے میں داخل کیا گیا جس میں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے دروازے کے اطراف میں دو جن کھڑے تھے انہوں نے اس سہیلی کو اپنی سرخ انگاروں جیسی آنکھوں

سے گھورا اور اسے دروازے کے اندر دھکیل دیا یہ بہت لمبی سی تنگ جگہ تھی وہاں لمبے لمبے ستونوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔کرن سہیلی اس خوفناک منظر کو محسوس کرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہوگئی جب اسے ہوش میں لایا گیا تو اس کے جلے ہوئے جسم پر موٹی موٹی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں بے اختیار نکل بھاگنے کی کوشش کرنے لگی مگر اتنے بوجھ سے وہ اٹھنے کے قابل نہ تھی ایسی شدید اذیت اس نے پہلے کب دیکھی تھی

اچانک اسے ایک آواز آئی چکھو اس عذاب کا مزا میں تمہارا رب ہوں میں نے ہمیشہ تمہاری ضروریات پوری کیں۔تم نے کبھی میری عبادت نہ کی میں تم سے اتنی محبت رکھتا تھا کہ تمہیں والدین بہن بھائی اور اچھی دوستیں (سہیلیاں) دیں مگر تم نے کبھی میری محبت محسوس نہ کی کبھی یہ نہ سمجھا کہ میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں میں تمہاری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہوں اس لئے تم نے ہمیشہ برے کام کیے تم نے دنیا میں میری محبت کی قدر نہ کی مجھ سے معافی نہ مانگی۔آج میں تم سے محبت ترک کرتا ہوں تم نے دوسروں کو تکلیف دی آج تمہیں تکلیف ملے گی۔اب تم ہمیشہ اسی دوزخ میں رہو گے۔

کرن دوست پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔اس کا دل لرز رہا تھا اس نے کہا کہ کاش مجھے موت ہی آجائے جو اس عذاب سے چھٹکارا ملے۔جواب دیا گیا آج پکارو سو موتوں کو مگر تمہیں موت نہ آئے گی بس زندگی ایک بار ہی دی جاتی ہے اور ایک بار فیصلہ ہوجاتا ہے۔تمہارا فیصلہ ہوچکا ہے تمہارا فیصلہ ہوچکا ہے۔

میری دوست کے لئے یہ جملہ برداشت سے باہر ہوگیا۔وہ چیخ اٹھی اور پھر اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ خواب میں جنت اور دوزخ دیکھ رہی تھی اور غیبی آواز سن رہی تھی جنت کی دل کشی نے اسے بہت متاثر کیا اور دوزخ کا خیال کرتے ہی اس کا دل لرز گیا اب اس نے اپنی بہت ہی اچھی انسان بننے کا ارادہ اور نیت کرلی اور اس کو اپنی پچھلی زندگی پر افسوس ہوا کہ اتنا وقت گنوا دیا۔

اس کی عزیز سہیلی نے بھی توبہ کی اور پیارے محبت کرنے والے اللہ سے آئندہ نہ گناہ کا وعدہ کیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اس کے رب نے اس کو معاف کردیا ہے۔کیونکہ اس کا دل پرسکون ہوگیا تھا۔ سچ ہے بالکل سچ آمنا وصدقنا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک کا مفہوم کہ انسان کے ساتھ دنیا سے تین چیزیں ساتھ جاتی ہیں دو واپس آجاتی ہیں اور ایک قبر میں ساتھ چلی جاتی ہے۔گھر والے

اور مال واپس آ جاتے ہیں اور عمل ساتھ جاتا ہے۔ہم عورتوں کو اللہ رب العزت نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ذہانت کا امتحان:

(بنت محمد)

ایک حسین لونڈی حمام سے نکلی۔ایک نوجوان س کے سامنے آ کر کہنے لگا۔"زَیَّنّٰھا لِلنّٰظِرِیْنَ" (ہم نے اس کو دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بنایا)۔لڑکی نے فوراً کہا۔"حَفِظْنٰھا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنِ الرَّجِیْم" (ہر شیطان مردود سے ہم نے اس کو محفوظ کر دیا)۔

نوجوان: "نُرِیْدُاَنْ نَاکُلَ مِنھَا و تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا" (ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں تا کہ دل مطمئن ہوں)

لڑکی: "لَنْ تَنَالُوْ الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا" (نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک خرچ نہ کرو حق مہر ندے لو)

نوجوان: "اَلَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحاً" (جو نکاح کی استطاعت نہ رکھتے ہوں)

لڑکی: "اُولٰئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ" (وہ اس سے دور ہی رہیں گے)

نوجوان نے زچ ہوکر کہا: "لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکِ" (تجھ پر اللہ کی لعنت ہو)

لڑکی نے کہا: "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" (مرد کے لئے دُگنا حصہ ہے)

نوجوان نہایت ذلیل ہوا اور اپنا سا منہ لئے بھاگ گیا۔

مسلمانوں! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ناسمجھ افراد یورپی ممالک میں جا کر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، اگر ہوسکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

جواب

(۱)۔امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔لہذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہو گیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہوسکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہو۔اس کے بعد وہ توبہ کرے۔اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہو گئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد

مولانا حاجی اکرم شاد ، نیویارک (امریکہ)

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335

www.milliafsd.com